پرچم بلند رکھنا



انوارالمصطفیٰ ہمدمی

پرچم بلند رکھنا

انوار المصطفیٰ ہمدمی

لنکس پبلی کیشنز

LG 34-A الطیف سنٹر، گلبرگ III، لاہور

فون: 042-35781292-0300-4142700

نام کتاب : پرچم بلند رکھنا

مصنف : انوار المصطفیٰ ہمدمی

اشاعت اوّل : اگست 2012ء

سرورق : فراز عالم

کمپوزنگ : الفرید گرافکس۔ محمد یامین

تعداد : 1,100

قیمت : -/600 روپے

ناشر : لنکس پبلی کیشنز

LG 34-A اللطیف سنٹر، گلبرگ III، لاہور

اِنتساب

مصطفوی انقلاب کے اُن بے مثال اور عظیم ورکرز کے نام کہ جن کی جہد مسلسل ، بے پایاں ایثار اور عزم و استقلال کے جلتے ہوئے چراغوں کی لَو روشنیوں کے سیلاب میں بدل کر تاریکیوں کی بساط لپیٹنے والی ہے۔

چھپتا ہے تہہِ مسند ہر جرم یہاں آ کر
زنجیر بجے تو خود دربار لرزتے ہیں

کسی پل رُک کے اپنی نیّتوں کا جائزہ تو لے
تو حق ہے تو ترے رستے میں کوفہ کیوں نہیں آیا؟

فہرست

یہ نوازشوں میں لپٹے میرے حکمراں نہیں ہیں
میں غریب یہ وڈیرے میرے ترجماں نہیں ہیں

اے وطن کی سرزمیں تو اب اِنہی پہ تنگ ہو جا
تیرے حسن کے لٹیرے، تیرے پاسباں نہیں ہیں

میرے آنسوؤں کی چیخیں، اِنہیں کیا سنائی دیں گی
تیرے گھر کے یہ اُجالے، میرے رازداں نہیں ہیں

ہمیں اُس پار جانا ہے

''میں اپنی تمام تر صلاحیتوں اور وفاداری کے ساتھ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین اور قانون کے مطابق اپنے فرائضِ منصبی ادا کروں گا اور خلوصِ نیت کے ساتھ پاکستان کا حامی و وفادار رہوں گا اور ذاتی مفادات کو اپنے سرکاری فیصلوں پر اثر انداز نہیں ہونے دوں گا، آئینِ پاکستان کی حفاظت کروں گا۔ ہر حالت میں بلا خوف و تردّد خدمات سرانجام دوں گا اور اپنے فرائض ہمیشہ پاکستان کی خودمختاری، سالمیت، استحکام، بہبودی اور خوشحالی کی خاطر سرانجام دوں گا۔''

یہ ہے ناخلف اشرافیہ کے اُٹھائے ہوئے حلف کی اُس مظلوم عبارت کا مفہوم کہ جس کے تقدس کو اُن کے ''کردار'' کی چھُری اس طرح ذبح کرتی ہے کہ اس کے لہو کے چھینٹے ہر محلے، ہر گلی اور ہر گھر کے در و دیوار پر بکھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ جس ایوان میں یہ حلف اُٹھایا جاتا ہے اس کے صدر دروازے پر اِس حلف کی لٹکتی ہوئی بےگور وکفن لاش کے جگر شگاف منظر اور وطنِ عزیز کی نوحہ گر فضاؤں سے ایک ہی ہُوک اور ایک ہی ماتم کناں صدا اُٹھتی سنائی اور دکھائی دیتی ہے:

اے رہبرِ مُلک و قوم بتا
یہ کس کا لہو ہے؟ کون مرا؟

انہیں اتنی خبر ہی نہیں کہ حلفاً اُٹھائے جانے والے اس حلفِ تار تار کی دھجیاں قبر کی تاریکیوں تک بھی اُن کے تعاقب میں رہتی ہیں۔ اور جب تک یہ ناسور ایک مدّتِ معینہ تک دھرتی کے اوپر بوجھ بنے رہیں اس حلفِ غمزدہ و شکستہ کا ایک ایک ٹکڑا اور کٹے پھٹے بدن سے رِستا ہوا لہو کا ایک ایک قطرہ پکار پکار کر دُہائی دے رہا ہوتا ہے کہ لوگو! جو خدا سے کئے ہوئے وعدے کی دھجیاں اڑا سکتے ہیں وہ تم سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو بھی جُوتے کی نوک پہ رکھ سکتے ہیں۔ اس مقدس حلف برداری کے بعد کا اگلا منظر؟

وہی کرپشن کی گرمیٔ بازار، باہر منتقل ہوتے ہوئے سرمائے کے انبار، بے اصولی، بے عملی، بے تدبیری، بے ضابطگی، بدنیتی، بد دیانتی، بدعہدی، بد عنوانی، ناقص منصوبہ بندی، معاشرتی جبر، بندر بانٹ، پلاٹ، پرمٹ، اراضی، عہدے، عمرے، ٹھیکے، قبضے، اجازت نامے، مکروفریب، حیلے بہانے، جھک جھکا، چک چکا، مُک مُکا، مفاد پرستیاں، چیرہ دستیاں، بلکتی بستیاں، بٹتی پستیاں، اقتدار کی بدمستیاں، رسہ کشی، اقرباء پروری، دشنام طرازی، زبان درازی، سازشی گٹھ جوڑ، تعصب، تنگ نظری، پھڈے، سر پھٹول، جملہ بازی، کھینچا تانی، چھینا جھپٹی، مارا ماری، اجارہ داریاں، دل آزاریاں، عیاریاں، مکاریاں، صوابدید، سودے بازی، خورد برد، بیرون ملک علاج، قرضوں کی معافی، وسیع و عریض کمین گاہیں، وزیروں کی فوج ظفر موج، صحافتی وفود، ثقافتی مُجرے، مراعات، سیاسی

زبوں حالی، معاشی استحصال، جمہوری دیوالیہ پن، ذاتی منافع، مُلکی خسارے، غیر مُلکی قرضے، باجماعت دورے، ڈیلی الاؤنس، پیشہ ورانہ نااہلیتیں، من مانی تاویلیں، غیروں کی چاپلوسی، اپنوں کا حشر نشر، آئین اور قانون سے کھلواڑ، غلط تخمینے، ناکارہ قیافے، جعلی مہارتیں، مفادات کے آگے سجدہ ریز دانشوریاں، پروٹوکول، حقِ استثنائی، شریانوں میں حرص و ہوس کا بہتا ہوا کالا سیال مادہ، استحقاق، عوام کو مزید جاہل اور بیوقوف بنانے پر صرف ہوتے ہوئے تعلیم کے سارے ہُنر، چینل چینل دہائیاں دیتے اور لٹیرے رہبروں کی صفائیاں دیتے گلے پھاڑتے، کُوکتے دھاڑتے اور چیختے چنگھاڑتے یہ بچے جمورے اور کچے جمہورے، اسلام زندہ باد کی آڑ میں اسلام آباد کے عشق میں مبتلا روم روم دنیا میں ڈوبے ہوئے مولویوں کا تڑکا لگی ''اسلامی'' ملک کی یہ بے فیض اسمبلیاں، ناسور زدہ وی آئی پی کلچر کے نشے میں لڑکھڑاتے، ڈگمگاتے، چہچہاتے، کھلکھلاتے، جگمگاتے اور بڑبڑاتے یہ ظلِ الٰہی، خلعتوں میں ملبوس یہ لطیفے، جھوٹی آس دلاتے اور وعدوں کی بانسری بجاتے ہوئے یہ کارٹون، نام نہاد خوشحالی اور ترقی کی خبریں سناتے یہ جُھوٹ کے پلندے اور سیاست کے گورکھ دھندے، مفادات کی منڈی میں کہیں بھی ہمہ وقت بکنے کے لئے تیار یہ لش پش گھگھو گھوڑے، پروٹوکول کی بھاں بھاں میں جھلستی اور جھلساتی ہوئی لُو میں گھنٹوں گھنٹوں عوام پر ٹھہراؤ کا آسیب مسلط کر کے ایئر کنڈیشنڈ گاڑیوں میں اذیتوں

سے بے خبر، گزرتی ہوئی یہ بدروحیں، ٹریفک کا جمودزدہ طوفان بلاخیز اور ایمبولینسز میں بیماریوں سے بلکتے، کراہتے اور آگ برساتی شدتوں اور حدتوں میں پانی پانی یہ عوام، (یہ کیڑے مکوڑے)، ناچتی ہوئی وحشت، دندناتی ہوئی جہالت، اللّے تللّے، بلّے بلّے، دہشت گردی کے خاتمے اور مجرموں کی سرکوبی کے دعویدار اور عالم یہ ہے کہ

چھپتا ہے تہہ مسند ہر جرم یہاں آ کر
زنجیر بجے تو خود دربار لرزتے ہیں

یہ تو ہوئے اُس اُٹھائے ہوئے اور اُٹھا کر ٹھکرائے ہوئے، ٹھکرا کر دفنائے ہوئے، دفنا کر بھلائے ہوئے حلف کے حلیف نما حریف۔ اور دوسری طرف؟ منظر یہ بھی بھیانک ہے

غفلت، بزدلی، بے حمیتی اور بے حسی کی شعوری موت مری ہوئی اٹھارہ کروڑ بھیڑیں اور انہیں ہانکتا ہوا مٹھی بھر مراعات یافتہ طبقہ، اِن کی ''آوے ای آوے'' اور زندہ باد، مردہ باد کے نعروں کی گونج میں زخم زخم دھرتی کی ڈوبتی اور دم توڑتی جاں گسل اور دلدوز کراہیں، تھکے ہوئے وجود، منجمد سوچ اور سکوت زدہ فکر کے خشک سوتوں پر تہہ در تہہ جمی ہوئی بے شعوری اور جہالت کی گرد اور تعصب کی حد تک ان جعلی رہبروں، بہروپیے لیڈروں اور اپنے ہمدرد نما قاتلوں کے ساتھ ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرتی ہوئی اندھی وابستگی، گلیوں، نالیوں،

الیکشن کی دیگوں اور کھابوں پر ووٹ بیچ کر وطنِ عزیز کے مستقبل کے ساتھ سمجھوتہ کرنے والی ایک عجیب اور عجوبہ نما یہ مخلوق، ذاتوں، قبیلوں اور برادریوں کے بتوں کو پُوجتی، قائداعظم کے خوابوں اور شہداء کے وطن کے مقدس لہو کو ان کی ناپاکی کی نذر کرتی ہوئی یہ دھڑے باز قوم۔

اِدھر قوم کی یہ بے حسی اور اُدھر نظام جنہیں عہدوں سے مزین کر کے خاص بناتا ہے ان خواص کے حواس حکمرانی کے خبط اور الگ سی مخلوق ہونے کے تصور میں ذلت کی اتھاہ گہرائیوں تک ڈوبے ہوئے ہیں۔ آسمان سے اترنے والی روشنی نے آواز دی تھی کہ قوم کا سردار اس کا خادم ہوتا ہے مگر یہاں تو سب ٹولے مخدوموں کے ہیں۔

ہائے روشنی کو ترستی ہوئی میری دھرتی! آواز دے غلاموں کی مہار پکڑنے والوں کو، صدا لگا اُن خاک بسر اور بوریا نشینوں کو جو راتوں کو گلی گلی گشت کر کے زخم نہیں مرہم بانٹتے تھے۔ مظلوم کی صدا سماعتوں سے ٹکراتے ہی جن کی آنکھوں کے کشکول سے نیندیں چھلک جایا کرتی تھیں، پکار! خدا کا اتارا ہوا رزق دجلہ کے کناروں تک پہنچانے والوں کو، بُلا! پیوند لگے ہوئے لباسوں میں ملبوس تاریخ کے ان جھومروں کو جو خشک روٹی کے ٹکڑوں کو چبائیں تو پسینے کی بوندیں گر گر کر ان کے دامانِ اقدس کو چُومیں مگر جبر و استحصال کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تو باطل لرز لرز جائے، کبر ٹوٹ ٹوٹ جائے، جبر بکھر بکھر جائے، جو

مسندوں پر بیٹھے ہوں تو خونی رشتوں کے سینوں میں بھی عدل و انصاف کے جھنڈے گاڑ دیں۔

اے گزرے ہوئے زمانے! پلٹ اور ہمارے پیشہ ور خلیفوں اور محکموں کو دیمک کی طرح چاٹتے ہوئے ڈیموکریٹس، شماریات اور اعداد کی ہیرا پھیری کی مار مارتے ہوئے ٹیکنوکریٹس، ہوس اقتدار میں ڈوبے ہوئے وطن کی سرحدوں کے محافظ جرنیلوں، ناکام پالیسیوں کے ماہر مشیروں، گردنوں میں سریا رکھنے والے وزیروں، قوم کی تقدیر بدلنے کا نعرہ لگانے والے مراعات یافتہ اور سہولتوں میں ڈوبے ہوئے بالشتیوں کو انداز جہاں بانی کے وہ منظر دکھا کہ کانٹوں پر چل کر بھی سُکھ دیئے جا سکتے ہیں، بھوکا رہ کر بھی کھلایا جا سکتا ہے، خود شب بیداری کر کے رعایا کو میٹھی نیند سلایا جا سکتا ہے، صرف پیغام بھیج کر بھی دشمن کو لرزایا جا سکتا ہے اور اگر صدق، اخلاص اور نیتیں راہ راست پر ہوں تو بڑے بڑے بحرانوں کا سر بھی جھکایا جا سکتا ہے۔ مگر جو مخدوم بن کر خود کانٹے، اذیت اور بحران بن جائیں وہ قوم کو زنجیریں تو ڈال سکتے ہیں تقدیریں نہیں اجال سکتے۔

اے شہنشاہِ دوعالم ﷺ (فداک امی و ابی) اے کائنات کے والی، آپ کی عظمتوں اور زیرِ پا رفعتوں کو اس وطن کے ہر مظلوم، مقہور اور مجبور کے رخساروں پر ڈھلتے ہوئے ایک ایک آنسو کا سلام پہنچے۔

اے عرشِ معلّٰی کے مکین! چشمِ فلک نے وہ منظر بھی دیکھا ہے کہ ایک پاگل، ہوش سے بیگانہ اور جنوں زدہ عورت مدینہ میں آپ کے دست اقدس کو تھامے گلیوں گلیوں گھما رہی ہے، اور آپ اس کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں اس کی دلجوئی کے لئے کہ کہیں اس کا دل نہ ٹوٹ جائے، کہیں اس کا احساس شکستہ نہ ہو جائے اور یہ شکستگی کہیں اُس کی پلکیں نہ بھگو دے۔ اے پاگلوں اور جنوں زدوں کے بھی احساسات کا خیال کرنے والے، امت کے لجپال! آپ کے کلمہ طیبہ اور آپ کے نام پر حاصل کیا گیا یہ ملک یہاں عقل والوں کو بھی پاگل بنایا جا رہا ہے۔ انسانوں کے ہوش اُڑائے جا رہے ہیں۔ دل توڑ کر احساس کو گھائل کر کے، حق سے محروم کر کے، عزتوں کو پامال کر کے، خون کے چھینٹے چھینٹے اُڑا اُڑا کر، بھوک کی فصلیں اُگا اُگا کر، جبر سے نسلیں مٹا مٹا کر، گھر گھر اندھیرے بچھا بچھا کر، میرے آقا ہمت دیجئے، حوصلہ دیجئے، ہم ہارے ہوؤں کو، جبر کے مارے ہوؤں کو، کہ اس باطل نظام سے ٹکرا کر اسے پاش پاش کر سکیں۔ اور اس ملک کو آپ کا ملک، آپ کے پیغام کا ملک اور آپ کے نظام کا ملک بنا کر آپ کے قدموں میں پیش کر کے سُرخرو ہو سکیں اور میدانِ محشر میں صاحب آبرو ہو سکیں۔

اے اہلِ وطن! اس ملک کے روگ کا مداوا انتخاب نہیں انقلاب ہے، انقلاب ہے، انقلاب ہے۔ جو آپ کی زندگی اور حواس پر مسلط ہر ناسور کو کاٹ کر

رکھ دے اور شفا یابی کا عمل آپ کے ذہنوں، جسموں، روحوں، نسلوں، زندگی، شعور اور وجدان میں جاری و ساری ہو سکے۔ اونچ نیچ، تفریق، طبقاتی تقسیم اور حکام کے ذہنوں سے آقائی کا تصورِ خباثت جب تک دور نہیں ہوتا، زندگی ڈگر پر نہیں آ سکتی، نسلیں محفوظ اور مامون نہیں ہو سکتیں۔ مخدوم جب تک خادم نہیں بنتے آپ کی عزت اور وقار بحال نہیں ہو سکتا۔

بیوروکریسی کا بانی، چینی سلطنت کا چیف جسٹس، کنفیوشس، آج اگر زندہ ہوتا اور ہماری بیوروکریسی کے چونچلے اور لچھن دیکھ لیتا تو سر پیٹ کر رہ جاتا۔ یہ دشمنِ جانی، قہر سامانی، سایۂ سلطانی، کبھی طوفانی، کبھی مستانی، کبھی کملی، کبھی سیانی، ریاست کے اندر کی راجدھانی، بیوروکریسی کی بددیانت اور پُرتعیش حکمرانی۔

یہ مراعات، آسائشوں، سہولتوں سے لدے پھندے، زرعی زمینوں، سٹڈ فارمز کے حامل جرنیل اور وسیع و عریض رقبوں پر پھیلی ہوئی جرنیل کالونیاں، ولولوں اور جذبوں کو چاٹتی اور جراتوں کا لہو پیتی یہ تمام تر حشر سامانیاں، سرحدوں کی محافظوں کے یہ شاہانہ مزاج شاہین، عام فوجی کی مشقت بھری زندگی اور انکی ''حیاتِ بابرکات'' میں وہی فرق ہے جو ایوانوں میں جلوہ فرما غریب وطن کے امیر ترین حکمرانوں اور فٹ پاتھ کی اڑتی ہوئی گرد میں رزق تلاش کرنے والے ان مجبور اور مقہور انسانوں میں ہے۔

اِک طرف کچھ طمع پرست ججوں کی وجہ سے مسندِ عدل کا مجروح ہوتا ہوا

وقار اور دوسری طرف توہین عدالت کے پردے میں لپٹی ہوئی ان کی عزت مآب کرپشن۔ ضمیر فروش صحافی، مصلحتوں کے جال میں جکڑے ہوئے قلمکار، آبروؤں کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے کمزوروں کے لئے ظالم اور ظالموں کے لئے کمزور یہ تھانے۔ ملاوٹ، بے ایمانی اور جھوٹ کے بل پر پیسہ بناتے اور جہنم کماتے یہ حرام خور تاجر۔ کربلا کے بعد اس دھرتی پر سجدوں کی حالت میں گردنیں اُڑاتے ہوئے اور خود ساختہ شریعت کے حامل ہتھیار بند ہوتے ہوئے یہ دستار بند۔ ملک استحصال کی یلغار میں گھرا ہوا اور جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق دبا کے جینے والے منبر و محراب کے یہ خاموش وارث۔ غربت اور افلاس کے دیار میں ریاستی جبر کے سامنے آنکھیں بند کر کے تسبیحیں پھیرتے اور نذرانے وصول کرتے ہوئے خانقاہوں کے یہ گونگے متقی۔ یہ قائدینِ ملت کا فقدان اور قائدینِ قلت کا گھمسان۔

من حیث القوم یا تو ہم پاگل ہو چکے ہیں یا شعوری طور پر یہ عذاب خود پر مسلط کیے بیٹھے ہیں اور جب قومیں اپنے ہاتھوں اپنی قبر خود کھودنے پر تُل جاتی ہیں تو انہیں تباہی اور بربادی سے کون بچا سکتا ہے۔ کیا ہم میں احساسِ ذمہ داری، قومی غیرت وحمیت اور ظلم و جبر کے خلاف آواز اُٹھانے کی جرأت ہے؟ جب قوم چوروں اور لٹیروں کو ہی اپنا قومی ہیرو تصور کر لے اور اُن کے ظالمانہ ہتھکنڈوں اور جبر کو اپنی تقدیر مان کر بیٹھ جائے اور ہمدردیوں کے تاریک

غلافوں میں لپٹے ہوئے کھوکھلے نعروں پر ایمان لے آئے تو ایسی قوم نہ خوشحال ہو سکتی ہے نہ اقوامِ عالم میں باوقار اور معزز گردانی جا سکتی ہے۔ پھر یہ ہاتھ ووٹ تو ڈال سکتے ہیں مگر جن کھلاڑیوں کے ہاتھ میں ہماری جمہوریت ہے ان کی بد اعمالیوں پر ان کے ہاتھ ان کے گریبانوں تک نہیں پہنچ سکتے۔

قوم کو ذلتوں اور پستیوں کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلنے اور نکالنے کے لئے سب سے اہم کردار اگر کسی چیز کا ہے تو وہ شعور کی بیداری ہے۔ یہی وہ جوہر ہے جو لٹنے والوں میں احساسِ زیاں پیدا کر کے اُنہیں گہری نیند سے بیدار کرتا اور خوابِ غفلت سے جگا کر زندگی اور دنیا کے حقیقتوں سے روشناس کراتا ہے۔ زندگی کو آزادی اور آسودگی سے گزارنے کا راستہ صرف اور صرف اجتماعی شعور کی بیدرای میں پنہاں ہے۔ شعور بیدار ہو جانے سے صرف قومیں ہی نہیں اُن کے مقدر بھی بیدار ہو جایا کرتے ہیں۔

وطنِ عزیز پر افلاس، محرومی اور غربت کے چھائے ہوئے عفریت اس لئے مسلّط نہیں کہ یہاں وسائل کی کمی ہے۔ اس مملکتِ خداداد پاکستان میں دنیا کی سب سے بڑی نمک کی کان، پانچویں بڑی سونے کی، پانچویں بڑی کوئلے کی کان، ساتویں بڑی تانبے کی کان، دوسرا بڑا ڈیم، تین نیوکلیئر ری ایکٹرز، پانچ دریا، دنیا کی چھٹی بڑی آرمی، ساتویں نیوکلیئر پاور، ساتویں بڑی چاول کی پیداوار، آٹھویں بڑی گندم کی پیداوار اور پانچویں بڑی دودھ کی پیداوار ہے۔ مگر پھر بھی بھوک، بے روزگاری اور افلاس کے ہاتھوں خودکشیاں کیوں؟ عدمِ تحفظ

کیوں؟ اقوام عالم میں ذلت کیوں؟ پیدا ہونے والا بچہ مقروض کیوں؟ نوجوان نسل کی آنکھوں میں لہراتے ہوئے تاریک مستقبل کے خدشات کیوں؟ وجہ صرف نا اہل قیادتیں اور ان جعلی رہبروں سے ہمیشہ کیلئے جان چھڑا کر اہل قیادتوں کو موقع فراہم نہ کرنے کی ہماری بہ حیثیتِ قوم مجرمانہ غفلت اور بزدلی۔ آخر یہ بھوک سے بلکتے ہوئے انسان ان سریع الہاضم ابدان سے کب ٹکرائیں گے؟ بھنور میں گھری ہوئی قوم اور موج در موج ''ملاحوں'' کی لگی ہوئی ''موجیں'' کب کسی تند و تیز موج کی زد میں آئیں گی؟ اُس وقت، جب اس قوم کا خراٹے لیتا شعور بیدار ہوگیا اور اسے اچھے بُرے، دوست اور دشمن کی پہچان ہوگئی۔

ضروری ہے کہ جینے کو شعورِ زندگی بھی ہو
فقط آنکھوں کے کھلنے سے نہیں ملتی ہے بیداری

ملک و قوم کے دشمنوں میں سب سے بڑا دشمن مروجہ انتخابی نظام ہے۔ یہی وہ دروازہ ہے جس سے شیطنت اپنی تمام تر مکروہ فنی صلاحیتوں کے ساتھ داخل ہوتی اور پھر شہ رگوں پر مسلط ہو جاتی ہے۔

یہ انتخابی نظام ہے سبز باغ ایسا
جو مفلسوں کے لئے اگاتا ہے بس اُمیدیں
کہ جس کا پھل چند خاندانوں کا رزق ٹھہرے
جو قوم کی سمت صرف چھلکے اُچھالتے ہیں

نچوڑ لیتے ہیں قطرہ قطرہ لہو رگوں سے
اور اُس سے اپنی غلیظ نسلوں کو پالتے ہیں

وہ انتخابی نظام، جو انہیں مسلط تو کر دیتا ہے مگر ان کا احتساب نہیں کر سکتا۔

وہ انتخابی نظام، جو غاصبوں اور لٹیروں کا راستہ نہیں روک سکتا۔

وہ انتخابی نظام، جو اپنے ہی قوانین کی دھجیاں اڑتی ہوئی دیکھتا اور خاموش رہتا ہے۔

وہ انتخابی نظام، جس کے ہوتے ہوئے بڑے سے بڑا بدمعاش اور غنڈہ بھی بے دھڑک میدانِ سیاست میں کودتا اور طاقت کے بل بوتے پر اسمبلی کے منہ پر مزید کالک ملنے کے لئے اس نظام کا حصہ بن جاتا ہے۔

وہ انتخابی نظام، جس کے ہوتے ہوئے سیاست ایک گھناؤنے کاروبار میں تبدیل ہو چکی ہے۔

وہ انتخابی نظام، جو سیاسی جماعتوں کو ٹریڈ کارپوریشن میں ڈھلتا اور ٹیکنیکل قسم کے فرعونوں کو جنم لیتے دیکھتا اور صرف دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔

وہ انتخابی نظام، جس میں رقص کرتی، دندناتی، ظلمتیں بکھیرتی، شرافت کا منہ چڑاتی اور علم و ہنر کے سینے پر مُونگ دلتی ہوئی جہالت ذلتِ ایوان بن جائے۔

وہ انتخابی نظام، جس میں جرمِ غریبی کی قصور وار صلاحیت، حبّ الوطنی، ایمانداری اور اہلیت کے لئے ملکی نظام کا حصہ بن کر اس کی تعمیر اور تکمیل کا خواب شرمندۂ تعبیر کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

وہ انتخابی نظام، جو سالہا سال کے مکروہ تجربات، اس کے قبیح نتائج اور سیاہ اثرات سے بھی کچھ نہ سیکھے اور پرانی ڈگر پر ہی چلتا رہے اور انقلابی اصلاحات کے لیے اسے از خود شرم آئے نہ حیا۔

وہ انتخابی نظام، جو قوم کو صرف ایک دن کے لئے حق رائے دہی کا "چھنکنا" تھما دے اور پانچ سال تک اُن کی عزتِ نفس کو پامال، حال کو بدحال، مائل بہ زوال، مفلس کو نڈھال اور نشانۂ استحصال بنتا دیکھ کر بھی اندھا، گونگا اور بہرا بنا رہے ہیں

وہ انتخابی نظام، جس کے ذریعے سے ایسی بے فیض جمہوریت مسلط ہو جائے کہ چیختے ہوئے جمہور پھر سے لعنت زدہ آمریت کو یاد کرنے لگ جائیں۔

پاکستان میں رائج یہ بے اثر جمہوریت صرف دھوکہ دہی، غنڈہ گردی اور جبر و استحصال کا دوسرا نام ہے۔ یہ جمہوریت مفاد پرست اور ہوس پرست بیوپاریوں کا وہ گھناؤنا کھیل ہے جس سے وہ خود کو قوم پر مسلط کر کے اپنے اقتدار، جرائم، کاروبار اور سرمائے کو تحفظ دیتے ہیں۔ ایسی جمہوریت جو قوم کا مقدر نہ بدل سکے یہ صرف ایک مخصوص طبقے کی عیاشیوں کے تحفظ کا نام ہے۔

ہر گھٹا چند لوگوں پہ برسے جہاں
اپنے حق کو ہر اِک شخص ترسے جہاں
جس میں حاکم ہتھیلی پہ افلاس کی
آنسوؤں کا یہ ماتم نہیں جانتے
ایسی جمہوریت ہم نہیں مانتے

مان لے اب کہ تیری نہ میری ہے یہ
ایک عیاش طبقے کی لونڈی ہے یہ
ہاں فقط انقلاب اپنا دم ساز ہے
حکمراں یہ دمادم نہیں جانتے
ایسی جمہوریت ہم نہیں مانتے

یہ مروجہ جمہوریت اپنے بنیادی فکر و فلسفے سے متصادم اور اس کی ضد ہے۔ اصل اور اپنی روح سے مربوط جمہوریت صرف اور صرف ایک حقیقی اور مکمل انقلاب ہی سے جنم لیتی ہے۔ وہ انقلاب جو اس کے تمام تر مفاسد کو تنکوں کی طرح بہا کر لے جاتا ہے اور جب اِس کا چہرہ نکھرتا ہے تو بام و در تو کیا روحیں تک اس کی ضیاء پاشیوں سے منور ہو جاتی ہیں۔ پھر یہ دکھوں کا مداوا اور محرومیوں کے ازالے کا باعث بنتی ہے۔ پھر زوال نہیں کمال کے در کھلتے اور نصیبے یاوری کرتے ہیں۔ پھر یہ اس نظام میں ڈھلتی ہے جس میں بڑے سے

بڑے حکمراں تک کو بھی حق استثناء نہیں ہوتا۔ جس کی صفوں میں محمود کے ساتھ ایاز بھی ہوتا ہے۔ جس میں دجلہ کے کنارے بکری بھی بھوکی مر جائے تو حکمران جواب دہ ہوتا ہے۔ جس کی سلطنت میں جہالت نہیں علم و دانش کا نور بہتا اور صدیوں کے اندھیروں کو نگلتا دکھائی دیتا ہے۔ جس میں حق و انصاف مظلوم کی دہلیز تک خود چل کر آتا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ''جیتے رہو'' کی دعا دیتا ہے۔ جس میں خائن عہدوں کا حامل نہیں قابل گرفت ہوتا ہے۔ جس میں حاکم ماں اور باپ کی محبتوں کا جامع اور مظہر ہوتا ہے۔ جس میں ایک تنہا عورت رات کی تاریکی میں تاریک جنگلوں سے سونا اچھالتے ہوئے بھی گزر جائے تو تحفظ کا ابرِ رواں اُس کا ہمسفر ہوتا ہے۔ جس میں انسان کے سر پر عزت اور انسانیت کا تاج سجتا ہے۔ جس میں زکوٰۃ دینے والے مائل بہ کرم خیرات کی آبشاریں لے کر نکلتے ہیں تو دامن کُشا سائل بھی دکھائی نہیں دیتا۔ جس میں آنچلوں کو وطن کے مقدس پرچم جیسا وقار اور تقدس ملتا ہے۔ یہی انقلابِ مصطفوی کے خدوخال ہیں جو زندگی کی ضرورت اور وقت کی آواز ہیں اور انشاء اللہ پاکستان کے اُداس ماتھے پر انقلاب کا سہرہ ضرور سجے گا۔

مجھے حضرت نعمت اللہ شاہ ولیؒ کی اس خطۂ پاک کے بارے میں، کہ ابھی اس کے وجود کا تصور تک نہ تھا، آٹھ سو سال پہلے کی دی ہوئی خوشخبری اور بشارت بہت حوصلہ دیتی رہتی ہے۔

بر مومنانِ غربی شُد فضلِ حق ہویدا
آید بدستِ ایشا مردانِ کاروانہ

''کہ غربی (مغربی پاکستان) پر اللہ کا ایک خاص فضل ظاہر ہو گا اور اُس کے ہاتھ کام چلانے والے آدمی آ جائیں گے۔''

اے اہلِ وطن! اٹھو اس خوشخبری کا حصہ بننے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ظلمتیں ہارنے اور حق اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ نزول فرمانے والا ہے۔ ایسا ہونا تو ہے، ہم نہ ہوئے تو اور سہی! تو کیوں نہ اس سعادت سے ہم ہی بہرہ مند ہوں۔ جو یہ سعادتیں سمیٹ لیں گے وہی دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں گے۔ بدخواہی کرنے والوں کا انجام نہ پہلے اچھا ہوا ہے نہ بعد میں ہو گا۔ بقول اشفاق احمد مرحوم، یہ پاکستان حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی مثل ہے، جو اس سے بُرا کرے گا قدرت کے انتقام اور گرفت سے بچ نہیں سکے گا۔

پاکستان کو دولخت کرنے والے سیاسی کردار غیر فطری موت مرے۔ دنیا میں اور ممالک میں بھی شکست و ریخت ہوئی اور وہ ٹوٹے۔ گورباچوف نے روس کا شیرازہ منتشر کر دیا مگر ان میں کبھی کوئی غیر فطری موت نہیں مرا۔ پاکستان کو توڑنے والے تین مختلف ممالک کے حکمران تھے اور اُن کا انجام ایک جیسا ہوا۔ تینوں ملکوں میں تینوں کا ایک سا انجام قدرت کی طرف سے سزا کا اشارہ نہیں تو اور کیا ہے۔ ایک فوجی کردار قید و بند اور نظر بندی کی سزا کے

دوران نفرت اور لعنت کا نشانہ بن کر واصل جہنم ہوا۔ اُسے جس فوجی جرنل اور گورنر نے فوجی اعزاز کے ساتھ دفنایا وہ خود بھی قتل ہو گیا۔ دُنیا کے نقشے پر لیلۃ القدر کی مقدس رات میں اس کا ظہور اور جنم، اس میں کوئی راز تو ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ ٹوٹا کیوں؟ آئیے اس سوال کا جواب اور آٹھ سو سال پہلے بیان کردہ اس کے چیدہ چیدہ اسباب، حضرت نعمت اللہ شاہ ولیؒ کی فراستِ مومنانہ کے دریچوں میں جھانک کر جانتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

تقسیم ہند گردد در دو حصص ہویدا
آشوب و رنج پیدا از فکر و از بہانہ

کہ ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گا، مکر و فریب سے آشوب اور رنج ظاہر ہوگا اور اُس کے بعد

بہ تاج بادشاہا شاہی کنند نادا
اجراء کنند فرما فی الجملہ مہملانہ

کہ نادان بادشاہ بے تاج بادشاہی کریں گے اور نہ جانتے ہوئے اپنے فرمان جاری کریں گے جو فی الجملہ مہمل ہوں گے۔

از رشوت تساہل دانستہ از تغافل
تاویل یاب باشد احکام خسروانہ

رشوت لے کرسستی کریں گے، جان بوجھ کرغفلت کریں گے، شاہی احکام کو بدل دیا کریں گے۔

عالم ز علم نالا دانا ز فہم گریا
نادا بہ رقص عریا مصروف والہانہ

عالم اپنے علم پر گریہ و زاری کریں گے، دانا لوگ اپنے فہم پر روئیں گے، نادان لوگ عریاں ناچ گانوں میں دیوانہ وار مصروف ہوں گے۔

آ مفتیانِ گمراہ فتویٰ دھند بہ جا
در حق بیان شرع سازند بس بہانہ

گمراہ مفتی بے جا فتوی دیا کریں گے، بیانِ شریعت کے حق میں بہت بہانہ سازی کریں گے۔

فاسق کند بزرگی بر قوم از سترگی
پس خانہ اش بزرگی خواھد شود ویرانہ

فاسق لوگ اپنی قوم پر بڑی صفائی سے لیڈر بن جائیں گے، پھر اُس کے بزرگ گھر میں ویرانی ظاہر ہو گی۔

بینی تو پند معروف پنہا شود در عالم
سازند حیلہ افسو نامش نہند نظامہ

بھلے کام کرنے کی نصیحت دنیا میں چھپ جائے گی، فریب اور افسوں سازی کر کے اُس کا نظام حکومت قرار دے دیں گے۔

از اھلِ حق نہ بینی در آ زما کسے را
دزدان و رھزنِ را بر سر نہند عمامہ

تو اُس وقت کسی اہلِ حق کو نہیں دیکھے گا، لوگ چوروں اور ڈاکوؤں کے سر پر دستار رکھیں گے۔

اس طرح دیگر اشعار میں انفرادی اور اجتماعی خبائث کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ شفقت، سرد مہری اور تعظیم دلیری میں تبدیل ہو جائے گی۔ امت سے مجرمانہ اور عاصیانہ افعال سرزد ہوں گے۔ فسق و فجور کی کثرت ہو گی۔ حلال و حرام کی تمیز ختم ہو جائے گی۔ نفرت کا ظہور ہو گا۔ قاضی لوگ جہالتوں کی مسند پر متمکن اور بڑے بڑے علم والے لوگ بہانہ سازی سے لوگوں سے رشوت لیں گے۔ پھر 1965ء کی جنگ اور نصرتِ الٰہی کا ذکر مگر اس کے باوجود اعمالِ بد کا سلسلہ جاری و ساری رہنے کی بدولت ان بد اعمالیوں کے نتیجے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ پھر

قہر عظیم آید بہر سزا کہ شاید
آخر خدا بہ سازد یک حکم قاتلانہ

آخر ایک بہت بڑا قہر آئے گا جو سزا کے لئے سزاوار ہو گا اور پھر

ذاتِ باری تعالیٰ ایک قاتلانہ حکم جاری فرمائیں گے۔

قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں خدا سے کئے ہوئے وعدے کو بھول کر انفرادی اور اجتماعی طور پر قومی دھارے کے منفی ڈگر پر چلنے کے باعث پھر یہ قاتلانہ حکم آیا اور یہ پاکستان دولخت ہوگیا۔ قدرت کسی کا بُرا نہیں چاہتی مگر کوئی زہر کھانا چاہے تو ہاتھ بھی نہیں پکڑتی، کوئی خودکشی کرنا چاہے تو پابہ زنجیر بھی نہیں کرتی۔ اب لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ ڈگر تو ہماری آج بھی وہی بلکہ ماضی سے بھی بدتر ہے اور اگر آج رہا سہا پاکستان اپنوں اور غیروں کی تمام تر ریشہ دوانیوں کے باوجود جو زندہ اور سلامت ہے تو یہ صرف خدا کے فضل کا کرشمہ ہے۔ ہماری طرف سے اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دینے میں تو آج بھی کوئی کمی نہیں۔ عمل، وطیرے اور طریقے تباہ کن ہیں، مگر شاید اُسے اِس کا سلامت رکھنا منظور ہے۔

آج پاکستان تو سلامت ہے مگر عذاب کی نوعیت بدل گئی کہ اب پاکستانی سلامت نہیں۔ اُس ذات کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو بھلا کر خود کو اور ملکی نظام کو اپنی اپنی روش پر چلانے کے باعث ذلتیں مقدر اور عذاب مستحکم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اُس سے بدعہدی، ہماری بدعملی، مجرمانہ انفرادی اور اجتماعی غفلت ہی کا نتیجہ ہیں یہ سفیرانِ عذاب حکمران۔ ان کا جبر اور بے حسی یہ لوڈ شیڈنگ، مہنگائی، بے روزگاری، جہالت، بھوک، افلاس، عدم انصاف، محرومی، عزتِ نفس کی پامالی، اقوامِ عالم میں بے وقاری، قتل و غارت، دہشت گردی، یہ ناکے، یہ

ڈاکے، یہ فاقے، یہ دھماکے، عدم تحفظ، فرقہ واریت کی آگ، یہ خدشوں میں گھرے قیام، خوف زدہ رکوع، لہو لہو سجدے، یہ افتراق، یہ انتشار، یہ جھگڑے، یہ دنگے، یہ فساد۔

یہ نگری دہشت والوں کی، یہ دیس نہیں مجبوروں کا
جہاں ذلت ہے ناداروں کی، جہاں غلبہ ہے ناسوروں کا
یہاں سکہ جھوٹ کا چلتا ہے، سچ کی کوئی پہچان نہیں
جو خواب تھا لاکھوں آنکھوں کا، یہ وہ تو پاکستان نہیں!

آیئے اس مظلوم پر رحم کریں، اسے پیار کریں جس نے زخمی زخمی ہو کر بھی ہمیں اپنی آغوش میں لے رکھا ہے۔ کبھی تھکن سے چور، زخموں سے نڈھال لہو لہو ماں کو بچہ گود میں لے کر پیار کرکے اور دودھ پلاتے دیکھا ہے؟ نہیں دیکھا تو پاکستان کو دیکھ لو۔ دھرتی کے فرزندو! اپنی اس دھرتی ماں کو دیکھ لو۔ اسے جرعہ جرعہ خون پیتے اِس ظالمانہ نظام اور اس نظام کے درندے محافظوں کے خنجروں سے بچا لو، اسے بیداریٔ شعور کا مرہم دو اور اس کے ننگے سر پر مصطفوی انقلاب کی چادر دو۔

پاکستان کی طرح خدا کے وعدے بھی سلامت ہیں۔ یہ ہم پر منحصر ہے کہ کب ہم اُٹھتے اور ظلمتوں کے پردے چاک کرتے ہیں۔ اُس کے وعدے تو ہیں مگر اُن کا ظہور تب ہوگا جب قوم خود کو بدلے گی۔ من حیث القوم اگر ہمارے

پچھن یہی رہے تو پھر ہم نہیں آئندہ نسلوں سے جذبوں سے مزین بانکے سجیلے اُٹھیں گے اور اِسے تعمیر سے لے کر تکمیل تک کی منزل سے آشنا کر کے رہیں گے اور جب تک ہم اس ظالمانہ اور استحصالی نظام کو مضبوطی اور استحکام فراہم کرتے رہیں گے ہم خود بھی ظالم کہلاتے رہیں گے اور یقین رکھو، ظالموں پر خدا کے فضل ظاہر نہیں ہوا کرتے۔

ہمیں خدا نے اپنی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا تھا مگر کہیں ایسا تو نہیں؟ کہ ہم نے اُس کی دراز رسی کو تھام لیا ہو۔ شائد یہ وقت ہمارے لئے وقت ہی نہ ہو صرف ایک مہلت ہو، وقت اور مہلت میں فرق ہوتا ہے۔ جب وقت ختم ہو جاتا ہے تو مہلت شروع ہو جاتی ہے۔

رات کے اس آخری پہر سبک سبک چلتے اور صفحہ قرطاس پر اشک بکھیرتے ہوئے اپنے اس قلم کی رگوں میں گردش کرتے دو آخری پیغام نظر کرنا چاہتا ہوں، ایک اربابِ اختیار حکمرانوں اور متلاشیانِ اقتدار زور آزماؤں کے نام کہ سو سو برس کا سامان سمیٹنے اور پل کی خبر بھی نہ رکھنے والے منہ زور گھوڑو! ہر راستہ ایوان کی طرف نہیں جاتا، کوئی راستہ قبرستان کی طرف بھی جاتا ہے۔ مظلوم مرتا ہے تو موت ظالم کو بھی آتی ہے۔ قبروں کی دیواریں، وحشتیں، ظلمتیں، حسرتیں، ندامتیں، شامتیں، آفتیں، حدتیں، شدتیں تمہیں بھی صدا دے رہی ہیں۔ اس راستے پر دو قدم چل کے تمہارے بانی بھی فانی ہو گئے۔ تمہیں بھی گزری اور بھولی

بسری کہانی بننے میں وقت نہیں لگے گا۔ لذتیں ختم ہو جاتی ہیں، گناہ باقی رہ جاتے ہیں۔ عیاشیاں دم توڑ جاتی ہیں اور حساب زندہ رہتے ہیں۔ یہ سُوٹ، یہ ٹائیاں، یہ طنطنے، یہ طمطراق، یہ پروٹوکول، یہ چوںچلے، یہ دبدبے، یہ غلغلے، یہ نعرے، یہ لشکارے، یہ چمکارے، یہ ٹھمک ٹھمک چالیں، یہ دھمالیں، یہ غرور، یہ فتور، یہ تکبر، یہ انائیں، یہ عشوہ طرازیاں، یہ زبان درازیاں

ہر چیز دھری رہ جائے گی، جب آن بجے گا نقارہ

پھر قبر کا استقبال دیکھ کر یہاں کے استقبال بھول جاؤ گے۔ ہر مظلوم کی پکار، بے بسی اور ذلت قبر کے اندر تک جائے گی تمہارے ساتھ اور خدائی گرفت کی ہمنوا ہو کر پکار اُٹھے گی کہ زباں کھول اور اب – ''بول مٹی دیا باویا''۔ اب بھی وقت ہے زندگی بچی ہے تو ازالوں کے مواقع بھی زندہ ہیں۔ وگرنہ بقول ''پگھل جائیں گی زنجیریں''

غاصبو، ظالمو، مے کشو، قاتلو
تم سے پہلے بھی فرعون آتے رہے
تم سے پہلے بھی سرکش ہیں گزرے بہت
جو زمانے میں طوفاں اُٹھاتے رہے

آج اُن کا نشاں تک بھی ملتا نہیں،
اُن کی سطوت زمیں میں دبا دی گئی
دھجیاں اُڑ گئیں اُن کے اجسام کی،
تمکنت کی عمارت گرا دی گئی

دھر میں ایک دن تم بھی مٹ جاؤ گے،
وقت تم کو کچل کے گزر جائے گا
کچھ گڑھے ہوں گے اور اُن میں کچھ ہڈیاں،
دبدبہ خاک بن کر بکھر جائے گا

یہ پیام تو تھا مخدوموں کے نام۔ اور آخری پیغام، محکوموں کے نام، کہ بہت سا وقت انہی اندھیروں میں کٹ گیا ہے بلکہ بہت کچھ کاٹ گیا ہے۔ اب وقت ہے اٹھو اور وطن عزیز کی مٹی سے پھوٹنے والی اُس روشنی اور مینارۂ نور پہ نظریں جما لو جو حالات کی ضرورت بھی ہے اور وقت کا تقاضا بھی، جو زخموں کا مرہم بھی ہے اور دکھوں کا مداوا بھی، جو علم کا شہباز بھی ہے اور فکر کی پرواز بھی۔ احساس درد اور محبت کی سوندھی سوندھی مٹی سے گندھا ہوا وہ پیکرِ دلنواز جس سعادت مند کے من میں اُتر جائے اُسی کی رواں رواں پکار اُٹھے

بھانویں سوہنے ملن ہزاراں
اساں نئیں یار وٹاناں

اینٹوں، بجریوں اور پتھروں کے پیچھے زندگیاں تیاگ دینے والو! اس گوہرِ انمول کی شعاعوں میں ڈوب کر تو دیکھو، زندگی کا کھویا ہوا سرا ہاتھ نہ آئے تو کہنا، جس کے اشک تمہارے دل اور گھر ہی نہیں تمہاری قبریں بھی منور کرنے کے لئے خدا کے حضور سجدہ ریز رہتے ہیں۔ وہ قائد، عظیم قائد

جو بولے تو اسرار کھلیں
یاقوتوں کے بازار کھلیں
پھر لفظوں کے دربار کھلیں
پھر معنوں کے انبار کھلیں
کئی بند درِ افکار کھلیں
ہاں جب یہ لبِ اظہار کھلیں
پھر جذبے موتی چنتے ہیں
پھر خار بھی ریشم بنتے ہیں
خود نغمے بھی سر دھنتے ہیں
جسے بیٹھ کبوتر سنتے ہیں

جس کے نعرۂ مستانہ میں تاریک اور بہیمانہ طلسم کو پاش پاش کرنے کی

جرأت بھی ہے اور صلاحیت بھی۔ آئیے اُس کا علم تھامیں جسے دنیا قائدِ انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے نام سے جانتی ہے۔ کب تک بے یقینی، نا امیدی اور گرد سے اٹے ہوئے دھواں دھواں راستوں میں لہراتے ہوئے تاریک اور موہوم سایوں کے پیچھے بھاگتے رہو گے۔ آزمائے ہوؤں کو آزما آزما کر کب تک اپنا اور اپنی نسلوں کی تمناؤں کا لہو کرتے رہو گے۔ کب تک بھٹکو گے اُن راہوں پر کہ جن کی کوئی منزل ہی نہیں، کب تک محرومیوں کی فصلیں بونے والے اُن ہاتھوں کو مضبوط کرو گے کہ جن کی لکیروں میں تمہارے مقدر کی درخشانی اور جمہور کی سلطانی نام کی کوئی لکیر نہیں۔ میرا احساس پاکستان کے کونے کونے سے اُٹھتی ہوئی ایک ہی صدا اور ایک ہی گونج کو خوشبو بن کر بکھرتا، مہکتا، مہکاتا اور دھرتی کی مشامِ جاں کو معطر کرتا ہوا محسوس کر رہا ہے کہ ”جیوے جیوے طاہر جیوے“۔ شالا تیری خیر ہو میرے قائد۔ اور بقول ”نوائے انقلاب“ انشاء اللہ

میرے قائد! تجھے تاریخ سلامی دے گی
آبرو خاک میں بد خواہ کی رُل جائے گی
وہ حقیقت جو نگاہوں سے ابھی اوجھل ہے
وقت آیا تو ہر شخص پہ کھل جائے گی

میرے عزیز قارئین! ''ہر شہر میں جنگل پھیل گیا'' سے لے کر ''پرچم بلند رکھنا'' تک کی طویل غیر حاضری پر معذرت۔ انسانی احساسات پر ماحول کا اثر ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ قیام اب چونکہ مستقلاً انگلینڈ میں ہے اور وہاں احساس کو چھلنی کرنے والے مناظر عموماً دیکھنے کو نہیں ملتے۔ نہ وہاں حکمرانوں کی چیرہ دستیاں، نہ نوکر شاہی کے مضموم ہتھکنڈے، نہ قانون اور ضابطوں کی اڑتی ہوئی دھجیاں، نہ بے گناہوں پر تھانوں کی یلغار، نہ گھر سے نکلتے ہوئے جانوں کا نقصان، نہ اغواء برائے تاوان، نہ کسی جاگیر دار کا قہر، نہ کسی وڈیرے کا جبر، نہ جوان اولاد کے قتل پر بین کرتی ہوئی کوئی مائی، نہ سرِ عام غنڈوں میں پھنسی ہوئی کوئی ''رضیہ''، نہ لوڈ شیڈنگ، گیس، مہنگائی، بیروزگاری، ناانصافی اور معاشرتی جبر سے ستائی، چیختی، چنگھاڑتی، بلکتی اور روتی عوام کے سڑکوں پر احتجاج کا پھٹتا ہوا آتش فشاں اور پھیلتا ہوا لاوا۔

اس ٹھہری ٹھہری، پُرسکوت سی زندگی میں کوئی خاص محرک نہ ہو تو قلم بھی سکوت میں چلا جاتا ہے۔ اور کچھ ذمہ داریوں کی نوعیت اور سانچہ بھی ایسا ہوتا ہے کہ بندے کا پورا ڈھانچہ ہی بدل کر رکھ دیتا ہے۔ مگر پاکستان ایئر پورٹ پہ قدم رکھتے ہی رُکی ہوئی فلم پھر سے چلنا شروع ہو جاتی ہے اور ایک نقطہ دھڑام سے نیچے آ گرتا ہے اور پھر ہر منظر فلم سے قلم بن جاتا ہے۔ پاکستان میں

اس بار چند ماہ قیام کے دوران پچھلے پانچ ماہ میں ایک سو اٹھارہ پروگرامز میں جانا ہوا اور اکثر مقامات پر پہلا سوال ہی یہی ہوا کہ نیا مجموعہ؟ سو پچھلے تین ماہ کی کاوش ''پرچم بلند رکھنا'' کی صورت میں قبول) فرمائیے۔ اسّی فیصد کتاب دورانِ سفر ہی لکھی ہے۔ عجیب مرحلوں سے گزرا ہوں، نجانے کتنے مقام ایسے آئے کہ پلکیں بھیگی ہوئی ہیں اور قلم چل رہا ہے۔ نجانے کتنی ہی تپتی ہوئی بھٹیوں سے گزرتا ہے یہ احساس اور تب کوئی کلام آپ کی نظرنوازی کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

شکر ہے قلم کی قسم اٹھانے والے پروردگار کا! کہ آپ کے ہاتھ اور توجہ اب اس کتاب کی زینت ہیں۔ کہیں کہیں لہجہ کافی سخت ہو گیا ہے مگر جتنا کرب ہے اندر، اُتنا نہیں۔ مجھے اُمیدِ واثق ہے کہ میرا قائد میرے سمیت پوری قوم کی روحوں سے مصطفوی انقلاب بپا کر کے کرب اور اذیت کا یہ کانٹا ضرور نکالے گا۔ اسی بے مثال قیادت کے سائے میں

یقیں ہے ظلمتوں کی اس رَوش نے ہار جانا ہے
جہاں صبحوں کا ڈیرا ہے ہمیں اُس پار جانا ہے

بس اعتماد، یقین اور جذبے سے چلتے رہیں، بڑھتے رہیں آگے ہی آگے اور روح روح بیداریٔ شعور اور فکرِ انقلاب کی خوشبو سے معطر کرتے

ہوئے اس پیغام کو دھڑکن دھڑکن تک پہنچانے کا فریضہ ادا کرتے رہیں کہ آنے والا دور مصطفوی انقلاب کی جھلملاتی ہوئی روشنیوں سے وطن کے در و دیوار جگمگا دینے کا دور ہے۔

وہ دیکھ چراغوں کے شعلے منزل سے اشارہ کرتے ہیں
تو ہمت ہارے جاتا ہے، ہمت کہیں ہارا کرتے ہیں؟

اللہ حافظ

انوار المصطفیٰ ہمدمی

12.08.2012

Pakistan: 0332-0440170

England: 0044-7440387360

حمد باری تعالیٰ

زندگی کو قریۂ دل کا پتا دیتا ہے وہ
بند دروازوں میں سانسوں کو ہوا دیتا ہے وہ

وہ جو چاہے تو کفِ صحرا پہ بھی رکھ دے گلاب
آبشاریں پتھروں سے بھی بہا دیتا ہے وہ

آندھیاں بھی سر جھکا دیتی ہیں اُن کے روبرو
وقت کی ظلمت میں جو شمعیں جلا دیتا ہے وہ

اُس کی جانب صدقِ دل سے جو بڑھے اس کے لئے
آگ میں بھی گل فشاں رستہ بنا دیتا ہے وہ

دے کے ہم کو یاعبادی کی صدائے دلنواز
آیۂ لاتقنطوا سے حوصلہ دیتا ہے وہ

ڈھال کر اشک ندامت میں گناہوں کا دھواں
پھر خطاؤں پر وہی پانی بہا دیتا ہے وہ

مہرباں ایسا کہ سب کچھ دیکھتا ہے وہ مگر
جرم اوروں کی نگاہوں سے چھپا دیتا ہے وہ

ممتحن ایسا کہ خود ہی امتحاں سے پیشتر
سلسلہ سارے سوالوں کا بتا دیتا ہے وہ

بجھتی آنکھوں میں جلاتا ہے امیدوں کے دیئے
ظلمتِ شب کو ستاروں کی ردا دیتا ہے وہ

وسعتیں دستِ عطا کی کیا کہوں انوارؔ میں
اپنے سائل کو طلب سے بھی سوا دیتا ہے وہ

جگ کا اُجالا آ گیا

سوچو تو کیسا تھا سماں!
سر پر دکھوں کی گٹھڑیاں
قدموں سے لپٹی بیڑیاں
کانٹوں سے بھرتی جھولیاں
قسمت سے خالی مٹھیاں
دھرتی پہ خوں کی سرخیاں
گھر گھر میں رقصاں بجلیاں
روحوں سے اُٹھتی ہچکیاں
اشکوں میں لپٹی سسکیاں
خوابوں کی اُڑتی دھجیاں
سانسوں میں ڈوبی تلخیاں
سوچوں میں ڈھلتی پستیاں
آنکھوں میں گڑتی سُولیاں
صدموں کی کالی آندھیاں
یوں ہی یہ جیون تھا رواں
پھر بے بسی کو ملی زباں

کی اُس نے یوں آہ و فغاں
سُن سُن اے ربِّ دو جہاں

مجھے ظلمتوں سے نکال دے
کسی صبحِ نو کا جمال دے
کوئی جام ایسا اُچھال دے
میری زندگی جو سنبھال دے
میرے دل کو رقصِ غزال دے
میری دھڑکنوں کو دھمال دے
مجھے جلترنگ میں ڈھال دے
مجھے قربتوں کا کمال دے
میری فرقتوں کو وصال دے
میری بے حسی کو زوال دے
میری تیرگی کو اُجال دے
مجھے پھر سے عزم نہال دے
میری گدڑیوں کو بھی لال دے

میری سوچ سے وہ دھنک اُٹھے
میرا لمحہ لمحہ چمک اُٹھے
میری سانس سانس مہک اُٹھے
میری ڈال ڈال لہک اُٹھے
میری بوند بوند چہک اُٹھے
میری روح سے نہ کسک اُٹھے
کوئی آگ پھر نہ بھڑک اُٹھے
میری آرزو نہ دہک اُٹھے
میری آنکھ پھر نہ چھلک اُٹھے
جو نگاہ سوئے فلک اُٹھے
میری آہ عرش تلک اُٹھے

یہ جفا کا دور فتن فتن
یہ فضا میں پھیلی گھٹن گھٹن
عجب اضطراب پَوَن پَوَن
ذرا دیکھ تشنہ دہن دہن!
یہ ہلاکتوں کی گھٹن گھٹن!

ہوئی شورشوں کی دھنن دھنن
بجیں تیغ و تیر چھنن چھنن
ہوئے زرد زرد سمن سمن
کہ خزاں خزاں ہے چمن چمن
یہ سخن سخن میں چبھن چبھن
یہ چبھن چبھن میں اگن اگن
یہ اگن اگن میں بدن بدن
یہ بدن بدن میں جلن جلن
یہ تعصبات وطن وطن
ہوئی زخم زخم کرن کرن

یہ سُنا جو کرب کا ماجرا
سرِ آسماں کوئی در کھلا
چلی جنّتوں سے حسیں صبا
لئے رحمتوں سے بھری گھٹا
یہ فلک سے آنے لگی صدا
ارے کون تھا محوِ دعا !!!

سُن سُن یہ مژدہ جاں فزا
ہاں مرحبا صد مرحبا!
لو آرہے ہیں مصطفیٰ!
وہ خوش نما وہ دلربا!
شمسُ الضّحیٰ بدرُ الدّجیٰ
صدرُ العلیٰ نُورُ الھدیٰ
کعبے خوشی سے جھوم جا
جبریل تُو جھنڈے لگا
سن عزرائیل اب فیصلہ
مت بانٹنا اِس شب قضا
تم بھی پڑھو ارض و سماء
صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

یہ بت اُجالو! توڑ دو
ہر شرک کا سر پھوڑ دو
حق سے تعلّق جوڑ دو
دھارے جہاں کے موڑ دو

دھرتی پہ کرنیں اوڑھ دو
ظلمات رستہ چھوڑ دو
پھولو! لٹا دو نکہتیں!
بانٹو فرشتو راحتیں!
بڑھ کے سجا دو جنتیں
دھرتی کو دے دو رفعتیں
حورو پہن لو خلعتیں
تارو! یہ چھوڑو خلوتیں
مکّے میں کر دو جلوتیں
شعلو بجھا دو حدّتیں
لہرو ڈبو دو شدّتیں
لوگو! جھکا دو گردنیں

اری کائنات سنبھل سنبھل
اے نظامِ کہنہ بدل بدل
یہ پکارتا تھا عمل عمل
اری تیرگی تو نکل نکل

وہ جو زندگی تھی خجل خجل
گیا وقت جس کو مسل مسل
وہ مہک رہی تھی کنول کنول
اری موج موج اُچھل اُچھل
اے صبا خوشی سے مچل مچل
یہ ہوا ہے کیسا ادل بدل
گئے ظلم سارے دہل دہل

اب وقت ہے میلاد کا
مخلوق کی امداد کا
حق ہے دلِ ناشاد کا
ہر خانماں برباد کا
سننا دبی فریاد کا
ہنسنا لبِ آزاد کا
ہو خاتمہ الحاد کا
ظلمت کی اس روداد کا
ہر جبر و استبداد کا

دھرتی کے ہر صیاد کا
بوجہل اور شداد کا
ہر پیکرِ اضداد کا

والفجر کی لاٹیں لئے
واللیل کی زلفیں لئے
مازاغ کی آنکھیں لئے
اسراء کی معراجیں لئے
میثاق کی شانیں لئے
والنجم کی کرنیں لئے
قوسین کی باہیں لئے
اُسوہ کی قندیلیں لئے
رحمت کی وہ موجیں لئے
طٰہٰ کی تنویریں لئے
جگ کا اُجالا آ گیا!
حق کا سنبھالا آ گیا!
نازوں کا پالا آ گیا!

رحمت میں ڈھالا آ گیا
رب کا حوالہ آ گیا!
سوچوں سے بالا آ گیا
ہاں کملی والاؐ آ گیا!

آدمؑ کی عظمت اس میں ہے
سلماںؑ کی شوکت اس میں ہے
موسیٰؑ کی شدت اس میں ہے
یوسفؑ کی زینت اس میں ہے
یحییٰؑ کی عصمت اس میں ہے
عیسیٰؑ کی رفعت اس میں ہے
صالحؑ کی حکمت اس میں ہے
یوشعؑ کی جرأت اس میں ہے

آمد سے جس کی پیشتر
دی انبیاء نے یہ خبر
بجنے ہی والا ہے گجر
اک دیدہ ور اک معتبر

آئے گا وہ خیر البشر
لائے گا وہ نورِ سحر!
کاٹے گا ظلمت کا جگر
ہو جائے گا گل، ہر شرر
جب بھی کرے گا رخ جدھر
جائیں گی خوشبوئیں اُدھر
مہکے گی ہر اک رہگذر
اے انتظارِ چشمِ تر
کرکے وہ صدیوں کا سفر
آیا ہے میرا چارہ گر
صدقے مری جان و نظر
تجھ پر فِدا لعل و گہر
شجرِ نبوّت کے ثمر
اے مہ جبیں رشکِ قمر

ہر ہر نگر منکر ترا
جلتا ہے تو جلتا رہے

شعلہ کدورت کا کوئی
پلتا ہے تو پلتا رہے
غیض و غضب میں ہاتھ وہ
ملتا ہے تو ملتا رہے
فتویٰ غلاموں پر ترے
چلتا ہے تو چلتا رہے
سورج ہماری عمر کا!
ڈھلتا ہے تو ڈھلتا رہے

ہم تو مر کر بھی یہ تیرے
گیت گاتے جائیں گے
قافلہ یہ عشق کا!
دم دم چلاتے جائیں گے
دنیا کو تیرے پیار کے
نغمے سناتے جائیں گے
ہم وفاؤں کے دیئے!
یوں ہی جلاتے جائیں گے
راستے گلیاں سدا

یوں جگمگاتے جائیں گے
یارسول اللہ کے!
ڈنکے بجاتے جائیں گے
آقا! ترے میلاد کی
دھومیں مچاتے جائیں گے

آمدِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اذانیں تھیں نہ تکبیریں
محرّر تھا نہ تحریریں
مقرّر تھا نہ تقریریں
مفسّر تھا نہ تفسیریں
مُعبّر تھا نہ تعبیریں
مصوّر تھا نہ تصویریں
مقدّر تھا نہ تقدیریں
مُدبّر تھا نہ تدبیریں
خطائیں تھیں نہ تقصیریں
سزائیں تھیں نہ تعزیریں

نہ دریا کی روانی تھی
نہ صحرا کی گرانی تھی
نہ جذبوں کی جوانی تھی
نہ اگلوں کی کہانی تھی

نہ پچھلوں کی نشانی تھی
نہ کوئی رُت سُہانی تھی
نہ گل نہ گل فشانی تھی
ملن تھا نہ جدائی تھی
نہ کوئی خوشنمائی تھی
فلک تھے نہ خدائی تھی
مَلک نہ پیشوائی تھی
نہ کوئی خوش نوائی تھی
نہ کوئی رہنمائی تھی
نہ شاہی نہ گدائی تھی
نہ کوئی آشنائی تھی

پھر اپنے نور سے کچھ نور
مٹھی میں لیا رب نے
محمدؐ نام رکھا اور
لقب احمدؐ دیا رب نے

زمانے بھر کو دینی تھی
اسی سے پھر ضیاء رب نے
چلانا تھا اسی سے پھر
جہاں کا سلسلہ رب نے
بنا کے نور کا پیکر
محبت سے کہا رب نے

نہ ہوگا تجھ سا خلقت میں
تجھے ایسا بناؤں گا
کرے گی رشک جنت بھی
تجھے ایسا سجاؤں گا
بٹھا کر سامنے تجھ کو
میں نبیوں کو دکھاؤں گا
کہوں گا میں تجھے دلبر
تری شانیں بڑھاؤں گا
فلک قدموں تلے رکھ کے
ستاروں کو بچھاؤں گا

تجھے چمکا کے آدمؑ میں
فرشتوں کو جھکاؤں گا
نہیں تجھ سا زمانے میں
زمانے کو بتاؤں گا!
ترے چہرے، تری زلفوں
کی قسمیں بھی اٹھاؤں گا
تجھے بھیجوں گا دھرتی پہ
زمیں تجھ سے بساؤں گا
جسے اپنا کہے گا تو
اُسے اپنا بناؤں گا
بھڑکتی آگ دوزخ کی
ترے صدقے بجھاؤں گا
جو تیرا بے ادب ہوگا!
قیامت اُس پہ ڈھاؤں گا
مٹانا جو تجھے چاہے
اُسے میں خود مٹاؤں گا

تمہارے نام کا کلمہ
میں پتھر سے پڑھاؤں گا
بپھرتی آندھیوں میں بھی
دیا تیرا جلاؤں گا!
کسی شب تجھ کو چپکے سے
میں اپنے ہاں بلاؤں گا
سنوں گا تجھ کو خلوت میں
تجھے اپنی سناؤں گا

تمہارا حسن چھلکے گا
ستارے جب بھی چمکیں گے
تری خوشبو ہی پھیلے گی
جہاں جب پھول مہکیں گے
درودوں کی صدا دیں گے
پرندے جب بھی چہکیں گے
فرشتے حسنِ جنت کو
تری راہوں میں چھڑکیں گے

یہ میرے عرش کے جلوے
تری نعلین چومیں گے
ملائک کے ہجوم آ کر
تری گلیوں میں کھوئیں گے

ترے عشّاق خوش ہوں گے
میں جب اعمال تولوں گا!
ترے صدقے گنہگاروں
کے دامن بھی میں دھولوں گا
جو تیرا بے وفا ہوگا!
اُسے راہوں میں رولوں گا
تری پلکوں کی جنبش پر
میں در جنت کے کھولوں گا
کرے گا گفتگو جب تو
زباں سے تیری بولوں گا
ترے لہجے کی نرمی میں
میں اپنے رنگ گھولوں گا

جو تیری آرزو ہوگی!
اسے تعمیل کردوں گا
مرے پیارے تجھی پر دین
کی تکمیل کردوں گا
ترے اشکوں کا ہر قطرہ
کرم کی جھیل کردوں گا
تری عظمت کی قرآں میں
بیاں تفصیل کر دوں گا
تری تعریف میں ناطق
زبور انجیل کردوں گا
ترے دشمن کے چہرے کو
میں نیل و نیل کردوں گا
جو تیراواسطہ دے گا
میں دکھ تحلیل کردوں گا
ترا نقشِ کفِ پا، نور
کی قندیل کردوں گا

ترے جلوؤں کے آگے خم
سرِ جبریل کردوں گا
تو چاہے گا تو قبلہ بھی
وہیں تبدیل کردوں گا

بتاؤ! اُس سا ہے کوئی؟
ہر اِک آواز سے پوچھا
بلندی اُس سی کس میں ہے؟
ہر اک پرواز سے پوچھا
رسولوں میں صدا گونجی
ہر اک ہمراز سے پوچھا
کہاں ہے اُس سا؟ ہر انجام
ہر آغاز سے پوچھا
حسینوں کی مجالس کے
ہر اک ممتاز سے پوچھا
ہر اک تخلیق سے پوچھا
ہر اک اعجاز سے پوچھا

اُسے بھیجا جو دنیا میں
خدا نے ناز سے پوچھا

بتا جبریل! زلفوں کا
وہ اک اک بال کیسا ہے
اے میکائیل تو بتلا!
یہ خدوخال کیسا ہے
وہ، اسرافیل! اوڑھے
رحمتوں کی شال کیسا ہے
اے عزرائیل کہہ
میلاد کا یہ سال کیسا ہے
بتا جلتی ہوئی دھرتی!
ترا اب حال کیسا ہے؟
بتا کعبے یہ عزت اور
یہ اقبال کیسا ہے؟

بتا اے حجرِ اسود!
آمنہؓ کا لال کیسا ہے؟
حلیمہؓ تیری ڈاچی کا!
یہ استقبال کیسا ہے
ترے آنگن میں چلتا نور
کی وہ چال کیسا ہے
بتا اے خوش نصیب اُمّت
ترا لجپال کیسا ہے؟

دعائے پدر

بھیگی پلکیں، شب کا منظر، صحنِ کعبہ اور پدر
امّتِ محبوب کے غم میں سلگتا اک جگر
درد میں ڈوبی ہوئی آواز سے لپٹا اثر
ہاتھ اُٹھائے اور یوں گویا ہوا وہ دیدہ ور
اے خدائے ذوالمنن! دے مجھ کو وہ لختِ جگر
پھونک دے دنیا کی اس ظلمت میں جو رنگِ سحر
پھینک دے کاشانۂ باطل میں جو حق کا شرر
وہ چلے تو سارے جذبے ہوں اُسی کے ہم سفر
وہ جو بولے تو گریں ہونٹوں سے حکمت کے گہر
وقت کی مایوسیوں میں دے اُجالوں کی خبر
ٹال دینا جو بھی راہوں میں کہیں اُلجھے بھنور
سوئے طیبہ جارہی ہو اُس کی ہراک رہگذر

مصطفیٰؐ کے عشق سے لبریز وہ آواز ہو
روح کی تسکین ہو وہ دھڑکنوں کا ساز ہو
قدسیوں کے سنگ اُڑتی فکر کی پرواز ہو
وقت کے ماتھے پہ روشن اس کا ہرانداز ہو
برکتوں میں اس کا ہر انجام، ہرآغاز ہو
تیرے دیں کا ترجماں، میرے وطن کاناز ہو
سب سے ہو وہ منفرد اورسب سے وہ ممتاز ہو
علم کا دھارا ہو وہ، دانش کا وہ شہباز ہو
شورِ باطل کو وہ لرزاتا ہوا جاں باز ہو
دیدۂ بینا کے بھی اُس پار کا ہمراز ہو

پھر کرم نے دیکھ لی سوئے فلک اُٹھتی نظر
رکھ دیا دستِ دعا میں، دستِ قدرت نے ثمر
وقت آیا تو زمانے بھر میں ظاہر کر دیا
روح سے نکلی صدا کو رب نے ''طاہر'' کردیا

یومِ قائد

(آج کے دن)

کسی در پر بہاروں کا کوئی پیغام لکھا تھا
دعاؤں کی ہتھیلی پر تمہارا نام لکھا تھا

سنا ہے ڈھانپ رکھا تھا تجھے تاروں کی شالوں نے
سنا ہے پہلے چوما تھا ترا ماتھا اُجالوں نے

تری آواز سے نغموں کا جھرنا کوئی پھُوٹا تھا
تسلّط شب کی دیواروں سے خاموشی کا ٹوٹا تھا

سنا ہے تجھ پہ خود قوسِ قزح نے رنگ چھڑکے تھے
سنا ہے قافلے خوشبو کے تیرے گھر میں اترے تھے

سنہرے موسموں کی آہٹیں تھیں دھڑکنیں تیری
خدا رکھے سلامت جانِ جاناں نکہتیں تیری

اتر کے روزنوں سے تجھ کو کرنیں دیکھنے آئیں
ادائیں خود تری معصومیت میں ڈوبنے آئیں

قبولیت کی ساعت آرزو سے ملنے آئی تھی
سنا ہے صبح تیرے عارضوں پہ کھلنے آئی تھی

تمہاری بند مٹھی میں، سنا ہے قید تھے جگنو
سنا ہے کہکشاؤں کی علامت تھے ترے ابرو

اداسی میں گھرے ماحول کو تُو نے نکھارا تھا
سنا ہے خود بلاؤں نے ترا صدقہ اُتارا تھا

سلامی دی گلابوں کی رتوں نے تیرے ہونٹوں کو
سنا ہے بُو صبا نے پائی، چھو کے تیری سانسوں کو

سنا ہے تیری پہلی نیند کا منظر کچھ ایسا تھا
پروں پر تتلیوں کے تیرا پہلا خواب رکھا تھا

اِسی دن دستِ قدرت نے، کوئی شمع جلائی تھی
سنا ہے زندگی بس، آج کے دن مسکرائی تھی

یہ صبح کیوں سجی ہے؟

یہ صبح کیوں سجی ہے
کیسی یہ دلکشی ہے
کلیاں چٹخ رہی ہیں
پھولوں میں تازگی ہے
خوشبو کہاں سے آئی
نگہت سی بٹ رہی ہے
ماحول دلربا ہے
لمحوں میں دلبری ہے
بادِ صبا یہ تیرا
کیوں سانس صندلی ہے
سورج سے کچھ زیادہ
جذبوں میں روشنی ہے

کیسا حسیں سماں ہے
کیسی حسیں گھڑی ہے
ٹھنڈک جگر میں اُتری
احساس شبنمی ہے
پوچھا یہ خود سے میں نے
دھڑکن سی کیوں کھلی ہے؟
دل نے صدا دی پھر آج
انیس فروری ہے

جس کی گردن نہ باطل کے آگے جھکی

جس کی گردن نہ باطل کے آگے جھکی
جس کی آواز بنتی رہی روشنی
علم سے جس کے، بٹتی رہی آگہی
فکر سے جس کے تاباں رہی زندگی

جو تقدس کا، عظمت کا مینار ہے
کاروانِ وفا کا جو سالار ہے
بے مثال و جری جس کا کردار ہے
گلشن زندگی کی جو مہکار ہے

یہ تصوّر، بس اک خوش گمانی نہیں
لفظ میرے فقط مدح خوانی نہیں
یہ حقیقت ہے لوگو! کہانی نہیں
میرے قائد کا کوئی بھی ثانی نہیں

وہ جو بولے تو موتی کئی رول دے
وہ جو بولے تو اسرارِ دیں کھول دے
بزم میں آئے جو، خوشبوؤں کی طرح
ذہن پہ چھائے جو، جادوؤں کی طرح
جو چلے عشق کے ساگروں کی طرح
جو ملے پیار کے، موسموں کی طرح
جو بہے درد کے آنسوؤں کی طرح
جو گرجتا لگے بادلوں کی طرح
جو برستا لگے بارشوں کی طرح
جو کڑکتا لگے بجلیوں کی طرح
جو چمکتا لگے آئینوں کی طرح

جس کے جذبے، جواں
جس کا لہجہ، اذاں
جس کی آنکھیں، غزل
جس کی باتیں، کنول
جس کے قصے، دھنک
جس کے چرچے، مہک
حلم جس کا محبت کی برسات ہے
علم جس کا محمدؐ کی خیرات ہے

رہبروں، رہنماؤں کا قائد ہے یہ
بے کسوں بے نواؤں کا قائد ہے یہ
دل سے نکلی صداؤں کا قائد ہے یہ
انقلابی اداؤں کا قائد ہے یہ

اک نئے رنگ سے
سیلنوء جھنگ سے
ایک پھوٹی سحر
جس نے کاٹا جگر

کتنی ظلمات کا
ظلم کی رات کا
گونج اٹھو، گونج اٹھو
اے حسیں ولولو!
اب نہ یوں چپ رہو
مِل کے سارے کہو

رہبر و رہنما، طاہر القادری
دلبر و دلربا، طاہر القادری
تیرے دل کی دعا، طاہر القادری
میرے دل کی صدا، طاہر القادری
ہم سفر ہم قدم، طاہر القادری
مصطفیٰؐ کا کرم، طاہر القادری
اِس وطن کا بھرم، طاہر القادری
دم بہ دم دم بہ دم، طاہر القادری

رُک نہ پائے گا یہ
ظالموں سے کبھی
دب نہ پائے گا یہ
سازشوں سے کبھی
وقت آنے تو دو
دیکھنا پھر یہاں
ہاں جگر ان اندھیروں کا کٹ جائے گا
جو بھی آیا وہ طوفاں پلٹ جائے گا
اس وطن کی فضائیں مہک جائیں گی
فیض عشقِ محمدؐ کا بٹ جائے گا

سمندر کیسے روکو گے

ہمیں ظالم سے کہنا ہے
لہو تو اپنا گہنا ہے
ہمیں اب چپ نہیں رہنا
ستم کوئی نہیں سہنا
تم اپنا ظلم دکھلاؤ
ہمارے حوصلے دیکھو!
چٹانوں سے کڑے ہیں جو
وہ سارے ولولے دیکھو
پڑھو شعلوں کی تحریریں
پگھل جائیں گی زنجیریں
کڑے تھے راستے لیکن
ہمارے اونچے جذبوں کے
حوالے اب بھی زندہ ہیں
اُجالے اب بھی زندہ ہیں
جیالے اب بھی زندہ ہیں

اُجالوں سے نہ ٹکرانا
جیالوں سے نہ ٹکرانا
جو نکلو ظلم کرنے تو
کفن بھی ساتھ لے آنا
کناروں سے نکل آئیں
تو دریا رک نہیں سکتے
سمندر کیسے روکو گے؟
دما دم مست کرتے یہ
قلندر کیسے روکو گے
بکھرتے ڈوبتے تنکو
سہارے ڈھونڈتے جاؤ
تمہارے ساتھ ہو گا کیا؟
اب آگے دیکھتے جاؤ

دشمن کو پہچان

دشمن کو پہچان
اے ارضِ پاکستان
چھوڑ الیکشن کا یہ دھندہ اور نہ ہو ہلکان
دشمن کو پہچان اے ارضِ پاکستان

تیرے اپنے ووٹ کا خنجر
تیرے دل میں اُترے
اپنے ہاتھوں آپ لٹے تو
پھر بھی تو نہ سوچے
جینا ہے تو کردے آج بغاوت کا اعلان
دشمن کو پہچان ، اے ارضِ پاکستان

جشن منائے جس میں جہالت
روئے علم، شعور!
اس باطل قانون کے بت کو
کر دو چکنا چور!
سرمائے کے ہاتھ سے بڑھ کے چھین لو یہ ایوان
دشمن کو پہچان، اے ارضِ پاکستان

مُٹھی بھر یہ طبقہ ساری
قوم کا خُون نچوڑے
بے تاثیر نظام یہ اس کا
ہاتھ نہ بڑھ کر توڑے
زر والوں کا ملک ہے یہ، بے زر کا قبرستان
دشمن کو پہچان، اے ارضِ پاکستان

اپنے ووٹ کے ہاتھوں اپنی
نسلیں کب تک مارو گے
مستقبل کی خاطر اپنی
سانسیں کب تک ہارو گے
کب تک ظلم کے ہاتھ میں دو گے خود ہی تیر کمان
دشمن کو پہچان، اے ارضِ پاکستان

کون مسلط کر جاتا ہے؟
ہم پر کالی رات
کون اُچک کر لے جاتا ہے
سورج والی بات
آ کے الیکشن دے جاتا ہے ایک نیا بحران
دشمن کو پہچان، اے ارضِ پاکستان

قائد اپنا طاہر جس نے
دی ہے یہ آواز
دھرتی کی تقدیر بدلنے
نکلیں گے جاں باز
ایک اُجالا ہے تحریکِ منہاج القرآن
دشمن کو پہچان، اے ارض ِ پاکستان

جمہوریّت کے سائے میں
مرتے ہیں جمہور!
ہر ظالم کو طاقت دیں
خود ہو جائیں مجبور
اگلے الیکشن تک روتے ہیں، پھرتے ہیں حیران
دشمن کو پہچان، اے ارضِ پاکستان

مُلک ملا تھا ہم کو اپنا
جب ہم قوم بنے تھے
منزل پائی جب یہ جذبے
مل کر ساتھ چلے تھے

پھر اُس قوم کو ڈھونڈ رہا ہے آج یہ پاکستان
دشمن کو پہچان، اے ارضِ پاکستان

سیاست، مذہب، ذات، قبیلہ
کتنے اپنے حصے!
بھول بھی جاؤ مُلک کی خاطر
نفرت کے سب قصے!
پارہ پارہ لوگو اب تو ہو جاؤ یکجان
دشمن کو پہچان، اے ارضِ پاکستان

نرم ہوا کے جھونکوں سے
دیواریں کب گرتی ہیں
ساحل کی بس خواہش ہی سے
لہریں کب پھرتی ہیں
ظلم کی ہر یلغار کے آگے بن جاؤ طوفان
دشمن کو پہچان، اے ارضِ پاکستان

سیاست

ہر وعدہ جھوٹا ہوتا ہے
ہر بات زالی ہوتی ہے

منشور، ارادے، منصوبے
ہر چیز خیالی ہوتی ہے

اخباروں اور بیانوں میں
ہر جا خوشحالی ہوتی ہے

ہر لیڈر کی چنگھاڑ تلے
مجمعے کی تالی ہوتی ہے

پھر حالت تالی ماروں کی
بس دیکھنے والی ہوتی ہے

ہر شب اک سپنا بُنتے ہیں
ہر دن پامالی ہوتی ہے

ہونٹوں پہ دعوے ہوتے ہیں
چہروں پہ لالی ہوتی ہے

کہنے کو قصے اُلفت کے
اور دِل میں گالی ہوتی ہے

جذبوں سے خالی لفظوں کی
ہر روز جگالی ہوتی ہے

آئندہ ساتوں نسلوں تک
اولاد سنبھالی ہوتی ہے

"کھسماں نوں کھانی" قوم کہیں
کسی بھاڑ میں ڈالی ہوتی ہے

کوئی اِن سے پوچھے، قوموں کی
کیسے دلالی ہوتی ہے

کبھی دال میں کالا ہوتا تھا
اَب دال ہی کالی ہوتی ہے

یہ بستی کیسی بستی ہے؟

یہ بستی کیسی بستی ہے
یہاں مستی ہی مستی ہے

کوئی ہے مست طاقت میں
کوئی ہے مست شہرت میں
کوئی ہے مست دولت میں
کوئی ہے مست غربت میں

یہ دھرتی سب پہ ہنستی ہے
یہ بستی کیسی بستی ہے
یہاں مستی ہی مستی ہے

طمانچے روز لگتے ہیں
مگر یہ اُف نہیں کرتے
یہ مر جاتے ہیں فاقے سے
یہ غیرت سے نہیں مرتے
یہ جابر کی رگوں میں زہر
وحشت کا نہیں بھرتے

مقدس اُس کی ہستی ہے
یہ بستی کیسی بستی ہے
یہاں مستی ہی مستی ہے

یہ کیسی رات ہے جس سے
سحر اب تک نہیں پھوٹی
یہ کیسی نیند ہے جو!
زلزلوں سے بھی نہیں ٹوٹی
نہ جانے کون سی پی لی ہے
اِس نے گھول کر بُوٹی

بندھی قدموں سے پستی ہے
یہ بستی کیسی بستی ہے
یہاں مستی ہی مستی ہے

دماغوں سے یہ خالی سر
سجائے جائیں تاج ان پر
جنہیں دِکھتا نہ سنتا ہے
کریں گے اب یہ راج ان پر
جسے لایا تھا، بھیجے گا!
یہ لعنت بھی سماج اِن پر

یہ خود ہی خود کو ڈستی ہے
یہ بستی کیسی بستی ہے
یہاں مستی ہی مستی ہے

وطن کی گونجتی چیخیں!
جگا سکتی نہیں ان کو
وہ پتھر ہیں کہ آندھی بھی
ہلا سکتی نہیں ان کو
کوئی تذلیل بھی شائد
اٹھا سکتی نہیں ان کو

یہاں ظلمت برستی ہے
یہ بستی کیسی بستی ہے
یہاں مستی ہی مستی ہے

اسے اتنا نہیں معلوم
ظالم کتنا بزدل ہے
بس اک یلغار کے اُس پار
اُمیدوں کا ساحل ہے
پگھل سکتی ہیں زنجیریں
مگر یہ اب بھی غافل ہے

جسے منزل ترستی ہے
یہ بستی کیسی بستی ہے
یہاں مستی ہی مستی ہے

عجب ہے بے حسی ان کی
یہ انساں ہیں کہ پتھر ہیں
اندھیروں کے یہ سوداگر
اِسی بستی کے رہبر ہیں
جہاں ہر چیز مہنگی ہے!
رگوں میں سب کی خنجر ہیں

جہاں بس جان سستی ہے
یہ بستی کیسی بستی ہے
یہاں مستی ہی مستی ہے

قوم کے شکاریو عالمی بھکاریو

قوم کے شکاریو، عالمی بھکاریو!
ذلتوں کی آخری حدوں کی شرمساریو!
راہداریوں میں ملک بیچتے مداریو!
شرم کب کرو گے؟ کب یہ غیرتیں جگاؤ گے؟
ورنہ مر کے اس زمیں سے بوجھ کب ہٹاؤ گے؟

تم کرو تجارتیں، سیاستوں کی آڑ میں
ملک چیختا پھرے، قوم جائے بھاڑ میں
ایک سی ہے زندگی، شہر یا اُجاڑ میں
خوف، بھوک، جبر، ظلمتوں سے کب چھڑاؤ گے؟
ورنہ مر کے اس زمیں سے بوجھ کب ہٹاؤ گے؟

رہبرو! اطاعتِ یزید کررہے ہو تم
ہم کو دے کے کربلا، عید کررہے ہو تم
پاک سر زمین کو، پلید کررہے ہو تم
اس سلگتی ریت پر، فرات کب بہاؤ گے؟
ورنہ مرکے اس زمیں سے بوجھ کب ہٹاؤ گے؟

سوٹ، بوٹ، ٹائیاں، یہ ریلیاں یہ تالیاں
خطاب کی جگالیاں، بھرم کی پائمالیاں
وطن کو کہہ کے ماں تو نوچتے ہو ماں کی لالیاں
کھاؤ گے زمین کا کہ قرض بھی چکاؤ گے؟
ورنہ مرکے اس زمیں سے بوجھ کب ہٹاؤ گے؟

بے بسوں کی سانس میں دراڑ ڈالتے ہو تم
سوچ سوچ نفرتوں کی آگ پالتے ہو تم
تاج وتخت لے کے ہم پہ دُکھ اچھالتے ہو تم
کیا کبھی غریب کی بھی آبرو بڑھاؤ گے؟
ورنہ مرکے اس زمیں سے بوجھ کب ہٹاؤ گے؟

جب میرا قائد بولتا ہے

اب اپنے دامن پھیلا لو
اے عشقِ نبیؐ کے دیوانو!
گہری خاموش فضاؤں سے
آواز ابھی اک اُبھرے گی
جو روح تلک چھا جائے گی
فیضان نبیؐ کا بٹتا ہے
رب رحمت کے در کھولتا ہے
اک جادو سا چھا جاتا ہے
جب میرا قائد بولتا ہے

یہ قائد میرا قائد ہے!
جو دھڑکن دھڑکن الفت کی
قندیل جلائے رہتا ہے
جو سینہ سینہ طیبہ کی
تصویر سجائے رہتا ہے

جو بکھری بکھری ظلمت کو
پُرنور اُجالا دیتا ہے
جو لرزاں لرزاں کشتی کو
بڑھ بڑھ کے سنبھالا دیتا ہے
جو عاشق کملی والےُ کا
جو آقا کا متوالا ہے
یہ دُنیا والے کیا جانیں
اِسے ناز سے کس نے پالا ہے

ہم لوگ بہت خوش قسمت ہیں
جو اپنی اپنی روحوں میں
قندیل جلانے آئے ہیں
کچھ اشک لٹانے آئے ہیں
کچھ درد سنانے آئے ہیں
وہ لوگ حسد جو کرتے ہیں
گر روک سکیں تو روک بھی لیں
پر خوشبو بھی کب رکتی ہے

جو آقا بولتے ہیں
وہ طوفاں سے کب ڈولتے ہیں
یہ جذبے بڑھتے جائیں گے
یہ رستے کٹتے جائیں گے
ہر دل کی دھڑکن دھڑکن میں
ہر گھر کے آنگن آنگن میں
ان قریہ شہروں میں
ہر سوچ سے اُٹھتی لہروں میں
آفاق کی پھیلی ظلمت میں
ہر جانب چھائی وحشت میں
مستقبل کے ایوانوں میں
افکار کے چمنستانوں میں

ہم دیکھیں گے، سب دیکھیں گے
جب باطن ظاہر چمکے گا!
ہاں مشرق مغرب ہر جانب!
جب میرا طاہر چمکے گا!

❁

یہ نوازشوں میں لپٹے میرے حکمراں نہیں ہیں
میں غریب یہ وڈیرے میرے ترجماں نہیں ہیں

اے وطن کی سرزمیں تو اب اِنہی پہ تنگ ہو جا
تیرے حسن کے لٹیرے، تیرے پاسباں نہیں ہیں

بدلی ہوئی ہواؤ! ان رہبروں سے کہہ دو!
شعلہ فشاں یہ جذبے، اب گل فشاں نہیں ہیں

میرے آنسوؤں کی چیخیں، انہیں کیا سنائی دیں گی
تیرے گھر کے یہ اُجالے، میرے رازداں نہیں ہیں

میری بے بسی کو مولا! کس جا اماں ملے گی
کالی سیاستوں کے سائے کہاں نہیں ہیں

میں وطن کے زخم چوموں، یہ وطن کا خون بیچیں
ان کے سیہ عزائم، میرے ہم زباں نہیں ہیں

تکنا شعور کی اب، بیداریوں کے منظر
ظاہر وہ ہوں گے طوفاں جو ابھی عیاں نہیں ہیں

تاریخ کے ورق کا، تحریک ہوگی جھومر
قائد ہمارا طاہر، ہم بے نشاں نہیں ہیں

کہاں گُل دیکھتا ہے جو زمیں میں خار بوتا ہے
ہم اِس کے مستحق ہیں جو ہمارے ساتھ ہوتا ہے

اندھیرے ہم نے پالے ہیں، اُجالے ہم نے ٹھکرائے
سیاہی سے بھرے پیکر، یہ رہبر ہم نے چمکائے
کوئی شیطاں، کوئی شیطاں کا دادا، کوئی پوتا ہے
ہم اس کے مستحق ہیں جو ہمارے ساتھ ہوتا ہے

نہیں اُٹھنا بغاوت کو تو مرجاؤ کہیں جا کر
یہ سہنا روز کی ذلت، یہ جینا روز گھبرا کر
جو بُزدل رہ کے زندہ ہوں مقدر اُن کا سوتا ہے
ہم اس کے مستحق ہیں جو ہمارے ساتھ ہوتا ہے

عجب سا اک عجوبہ ہیں کہ دُنیا ہم پہ ہنستی ہے
بنائے چور کو رہبر، یہ بستی کیسی بستی ہے
غلاظت سے بھرا پانی، کہاں داغوں کو دھوتا ہے
ہم اس کے مستحق ہیں جو ہمارے ساتھ ہوتا ہے

وفا کا کارکن کو بھی نہیں ملتا صلہ لوگو!
فقط مخصوص لوگوں پر برستی ہے گھٹا لوگو
جو مارے عمر بھر نعرے، وہی چھپ چھپ کے روتا ہے
ہم اس کے مستحق ہیں جو ہمارے ساتھ ہوتا ہے

جنہیں چنتے ہیں، سالوں تک اُنہی سے زخم کھاتے ہیں
تو پھر اگلے الیکشن پر اُنہی کے گیت گاتے ہیں
پرانا ہر مداری پھر نیا نشتر چبھوتا ہے
ہم اس کے مستحق ہیں جو ہمارے ساتھ ہوتا ہے

جفائیں رقص کرتی ہیں، وفائیں ٹوٹ جاتی ہیں
صدائیں ڈوب جاتی ہیں، گھٹائیں روٹھ جاتی ہیں
یہاں بنتا ہے جو رہبر وہی کشتی ڈبوتا ہے
ہم اس کے مستحق ہیں جو ہمارے ساتھ ہوتا ہے

سیہ باطن کے چہرے کو بہت تابندہ کرتا ہے
ڈبونا ہو جسے یہ ووٹ اُس کو زندہ کرتا ہے
وطن کی سانس میں یہ ووٹ ہی کانٹے پروتا ہے
ہم اس کے مستحق ہیں جو ہمارے ساتھ ہوتا ہے

حکمرانو!

وطن کے رستوں، ہماری گلیوں میں، کیسی دلدل بچھا رہے ہو
وہ ہم کو پاگل بنا رہا ہے نظام جو تُم بچا رہے ہو
وطن کی تقدیر کو بھی طاغوت کی ہتھیلی پہ رکھنے والو!
وہیں پہ کٹتی ہیں شہ رگیں بھی جہاں پہ گردن جھکا رہے ہو

یہ وہ تو پاکستان نہیں

تذلیل سہیں گے ہم کب تک
کیوں جینا یہاں آسان نہیں
جو خواب تھا لاکھوں آنکھوں کا
یہ وہ تو پاکستان نہیں

یاں قوم کو بیچنے والے بھی
سونے میں تو لے جاتے ہیں
دروازے اُن کی پلکوں کی
جنبش پر کھولے جاتے ہیں
ہم پوچھتے ہیں زر والوں سے
کیا ہم مفلس انسان نہیں؟
جو خواب تھا لاکھوں آنکھوں کا
یہ وہ تو پاکستان نہیں

دن کاٹ کے ذلت میں، شب کو
جا گرتے ہیں فٹ پاتھوں پر
کچھ ٹوٹی آس کے ٹکڑے ہیں
کچھ پھوٹے چھالے ہاتھوں پر
جو لوگ وطن کی جان ہیں، کیوں؟
اُن ہی کے بدن میں جان نہیں!

جو خواب تھا لاکھوں آنکھوں کا
یہ وہ تو پاکستان نہیں

یہ نگری دہشت والوں کی!
یہ دیس نہیں مجبوروں کا
جہاں ذلت ہو ناداروں کی
جہاں غلبہ ہو ناسوروں کا
یہاں سکہ جھوٹ کا چلتا ہے
سچ کی کوئی پہچان نہیں

جو خواب تھا لاکھوں آنکھوں کا
یہ وہ تو پاکستان نہیں

کیا تُم نے منظر دیکھا ہے!
اُن لٹتی بیٹیوں ماؤں کا
اک جذبہ خوشبو جیسا تھا
اک خواب تھا ٹھنڈی چھاؤں کا
جیون کی سلگتی راہوں پہ
اب کون یہاں ہلکان نہیں
جو خواب تھا لاکھوں آنکھوں کا
یہ وہ تو پاکستان نہیں

کیسا منظر ہے یہ

اے مری سرزمیں
اے مری مہ جبیں!
کیا سماں ہے یہاں
کیسا منظر ہے یہ
میں بھی انسان ہوں
جو دبا ہوں مسائل کے انبار میں
جیسے زندہ چنا ہوں میں دیوار میں
وہ بھی انسان ہے
جس کا جیون ہے آسائشوں کا چمن
دیکھ کر یہ تضادِ نظامِ کُہن!
دیکھ کر آنکھ منظر یہ حیران ہے
دل پریشان ہے
میں بھی انسان ہوں
وہ بھی انسان ہے
اک دیا بھی مرے گھر میں جلتا نہیں

اور کسی گھر میں سورج بھی ڈھلتا نہیں

میرے سپنے

مرے بھی تو کچھ خواب تھے

کتنے نایاب تھے

میری دھڑکن میں جذبوں کے مہتاب تھے

میری سوچوں کے گلشن بھی شاداب تھے

زندگی کے لئے

روشنی کے لئے

میرے سارے ہی غارت ہوئے ہیں جتن

ہم تھے پہلے ہی

غربت کے مارے ہوئے

درد جیتے ہوئے

خواب ہارے ہوئے

اب تو ہر سانس وحشت کے قبضے میں ہے

اب تو فردا بھی دہشت کے قبضے میں ہے

اے نگارِ وطن

دیکھ کٹتے بدن

دیکھ بٹتے کفن
دیکھ مرتے سخن
دیکھ جلتے چمن
خون کے پیرہن
اک طرف اُن کی چیخوں کے انبار ہیں
باپ جن کا دھماکے میں مارا گیا
دیکھ اُس پار
بوڑھے لرزتے بدن
جن کے جینے کا واحد سہارا گیا
دیکھ اُس پار غربت کی ماری وہ ماں
جس پہ روتے ہیں گھر ہی کے بجھتے دیئے
وہ جو زندہ ہے آنکھوں میں حسرت لئے
جس کے گھر میں دوا بھی، غذا بھی نہیں
دستِ دختر میں رنگِ حنا بھی نہیں
اے نگارِ وطن
رنگِ صبحِ چمن
کیسے دیکھوں میں منظر وہ اُس پار کا

مفلسوں کی کڑکتی ہوئی ہڈیاں
بجھتے چولھوں میں گڑتی ہوئی سولیاں
آرزوؤں پہ گرتی ہوئی بجلیاں
آبروؤں کی اڑتی ہوئی دھجیاں
اور لبوں پر لرزتی ہوئی ہچکیاں
پا برہنہ کھڑی تیری شہزادیاں
دہشتوں سے لرزتی ہوئی وادیاں
اپنے سپنے تھے
اپنے بھی کچھ خواب تھے
کتنے نایاب تھے
اب تو آزار ہیں
اے وطن تیری گلیوں میں ہم خوار ہیں
دیکھ تو اک نظر
یہ مری چشمِ تر
میرا کٹتا جگر!
میری کالی سحر
ایک کچا سا گھر

اس کا ٹوٹا سا در
ڈوبتی سی نظر
ہر نوا بے ثمر
ہر صدا بے اثر
حکمراں بے خبر
اک طرف عیش و عشرت کا بازار ہے
اک طرف ہم سے روٹھی ہوئی روشنی
اک طرف تو ہر اک شام، تہوار ہے
اک طرف ظلمتیں پھانکتی زندگی!
بھوک کے ڈر سے بچوں کی نیلامیاں
جو بلکتے تھے پہلے، وہ بکنے لگے
وہ جو لڑتے تھے جن کے لئے موت سے
اپنے ہاتھوں انہیں زہر دینے لگے
ہم ہیں نفرت زدہ
ہم ہیں وحشت زدہ
ہم ہیں ظلمت زدہ
ہم ہیں غربت زدہ

اے خدا المدد

المدد اے خدا

تو ہی سن لے دُعا

صدقۂ مصطفیٰ

بھیج دے اب تو کوئی مسیحا اِدھر

ہاں کوئی چارہ گر، ہاں کوئی دیدہ ور

جس کے بولوں میں

چاہت کی برسات ہو

جس کے ہاتھوں میں

رحمت کی خیرات ہو

دیکھ کر ہی جسے، حوصلہ سر دُھنے

جس کا احساس، اشکوں کی چیخیں سنے

وہ مسیحا جو راہوں کے کانٹے چُنے

بے ردا بیٹیوں کے جو آنچل بُنے

لے گا لاکھوں دعائیں، وہ جب آئے گا

میری بستی میں لیکن، وہ کب آئے گا؟

☆☆☆

نذرِ قائد

اُڑتا جا شہباز فضا میں، اُڑتا جا شہباز
کملی والاؐ اور بڑھائے تیری یہ پرواز
اُڑتا جا شہباز فضا میں، اڑتا جا شہباز

ناپ رہے ہیں تیرے قد کو، بونے علم، ہنر کے
تیری اڑانیں روک نہ پائے، مل کر فتنے شر کے
شب کے خوگر دیکھ نہ پائے، پھیلے رنگ سحر کے
تیری پشت پہ ہاتھ ہے کس کا، جان نہ پائے راز
اُڑتا جا شہباز فضا میں، اڑتا جا شہباز

تو بولے تو جیسے جھرنا، نور کا کوئی پھوٹے!
تو ہے تو کب جہل میں ہمت، اب ایمان کو لُوٹے
تیری دھمک سے سوچ سے لپٹے، کتنے جادو ٹُوٹے
صدیوں کے زخموں کا مرہم، اک تیری آواز
اُڑتا جا شہباز فضا میں، اڑتا جا شہباز

فتوے ریت گھروندے ہیں، تُو عظمت کا کہسار
ہر سازش کے بعد بڑھی ہے، اور تری رفتار
پانی پانی ہو جاتا ہے، دشمن کا ہر وار
تیری گرد بھی چھو نہ پائے، مُلّاں فتویٰ باز
اُڑتا جا شہباز فضا میں اڑتا جا شہباز

علم و نظم، قیادت، حکمت، تفسیر و تحریر
دھرتی پہ بے مثل خطابت، جذبہ عالم گیر
تو ہی مجدّد، تو ہی محدّث، امن کا ایک سفیر
وقت کے ماتھے پر روشن ہے، تیرا ہر انداز
اُڑتا جا شہباز فضا میں اڑتا جا شہباز

بانٹ رہا ہے سینہ سینہ، تیرا درد اُجالے
طاہر طاہر بول رہے ہیں، آج بھی یہ متوالے
ہاں زندہ ہیں، دھڑکن دھڑکن تیرا پیار سنبھالے
منہاج القرآن کے بیٹے، ہم تیرے جاں باز
اُڑتا جا شہباز فضا میں، اڑتا جا شہباز

میرے ہاتھ میں سوت کی اَٹی تو گوہر انمول
تجھ کو تیرے رنگ مبارک، اک رنگ مجھ میں گھول
میری جانب کھلنے والا ایک دریچہ کھول

میرے ہاتھ میں رقصاں دل ہے، تیرے ہاتھ میں ساز
اُڑتا جا شہباز فضا میں اڑتا جا شہباز

کیسے تیرا قرض اُتاروں؟

میرے سائیں

سچے سائیں

دھڑکن دھڑکن میری

تیرے پیار کا مسکن

سانسیں تجھ سے روشن

آنکھیں میری

تیرے اُجلے رُوپ کا ڈیرا

جیون تیرے نام یہ میرا

سوچ رہا ہوں
کیسے تیری
اس چاہت کا قرض اُتاروں
جی کرتا ہے جسم سے اپنے
خون کی اِک اِک بوند نچوڑوں
اُن بوندوں کے پھول بناؤں
پھول بنا کے تجھ پہ واروں
کیسے تیرا قرض اُتاروں؟

انتظار

وہ آئیں گے اے دلِ حزیں تُو غریب خانہ سجائے رکھنا
اداس رستوں میں آنسوؤں کے چراغ شب بھر جلائے رکھنا

نہ بھول جانا وہ احترامِ غبارِ رہ کے حسیں تقاضے
گلاب کی سرخ پتیوں کو، بنا کے آنچل بچھائے رکھنا

چھپا کے رکھنا مہک تمنا کی، اپنے سانسوں کی مٹھیوں میں
مچلتے لفظوں کی سبز خوشبو، ہوا کی زد سے بچائے رکھنا

گلہ بھی ہونے نہ پائے اُن سے اے یادِ ماضی خیال رکھنا
وہ رُوبرو ہوں تو ہجر کی رُت کے، سارے صدمے بھلائے رکھنا

کہیں چٹخ ہی نہ جائیں حالات کی چٹخ سے یہ آبگینے
تمام خوابوں کے سر پہ اُن کی دراز پلکوں کے سائے رکھنا

انہی کے دامن کی ہیں امانت یہ درد ریزے یہ اشک تارے
اِنہیں جہاں کی نظر سے پلکوں کی جھالروں میں چھپائے رکھنا

یہ اپنا اپنا ہے کام دنیا، نہ میں رکوں گا نہ تو ٹلے گی!
مجھے بھی چلنا ہے نام رانجھن کا، تُو بھی پتھر اُٹھائے رکھنا

رہِ وفا میں یہی ہے جینا، ستم کو سہنا لبوں کو سینا
اذیّتوں کو جگائے رکھنا، شکایتوں کو سلائے رکھنا

ابھی

میری شام شام نگاہ میں
ابھی چاندنی ہے گھُلی ہوئی
میرے گرد گرد وجود میں
کوئی آرزو ہے ڈھلی ہوئی
ابھی سانس زرد نہیں ہوئے
ابھی دھڑکنوں میں کسک بھی ہے
میرے زخم زخم شعور میں
ابھی منزلوں کی چمک بھی ہے
یہ نشانِ مرگِ صدا نہیں
جو لبوں پہ مہرِ سکوت ہے
میرے آنسوؤں میں گھُلا لہو
میری زندگی کا ثبوت ہے

یہ جو چند لوگ ہیں

یہ جو چند لوگ ہیں
تیرا میرا روگ ہیں
زندگی ہیں وہ، تو ہم
زندگی کا سوگ ہیں
تیری میری بے حسی سے
اِن کی جان میں ہے جان

پوری قوم یرغمال
شاہ چند خاندان

جو چُنے جہالتیں
آگہی کو رول دے
در اذیتوں کے جو
ہر قدم پہ کھول دے
اُس نظامِ انتخاب
کے یہی ہیں پاسبان

پوری قوم یرغمال
شاہ چند خاندان

بس یہی ہیں خاص، ہم
عام ہیں ، عوام ہیں
یہ سنہری دھوپ، ہم
زرد زرد شام ہیں
وقت کی بساط پر
یہ یقین، ہم گمان

پوری قوم یرغمال
شاہ چند خاندان

عزم صرف اقتدار
جیت ہی اصول ہے
بیچنا ضمیر کا!
خرید بھی قبول ہے
بس نہ جائے ہاتھ سے
ٹھاٹھ باٹھ، آن بان

پوری قوم یرغمال
شاہ چند خاندان

ان کی پاک دامنی
کی تُو نہ دے شہادتیں
زہر بانٹنا دکھا کے
شہد، ان کی عادتیں
اپنی نسل کو بچا
بن نہ ان کا ترجمان

پوری قوم یرغمال
شاہ چند خاندان

✽

ہمدرد بن کے آئے ہو دھوکا نہ دو مجھے
دو زخم مجھ کو اور، دلاسا نہ دو مجھے

مجھ کو تو اپنی دھوپ کے آنچل سے پیار ہے
لے جاؤ اپنی زلف کا سایہ نہ دو مجھے

تم نے کہاں سنی تھی مری بے بسی کی چیخ
تم بھی تو ایک لاش ہو کاندھا نہ دو مجھے

اس جبر کی ہنسی کا تکلف ہے کس لئے؟
میلا ہے دل تو عکس بھی اُجلا نہ دو مجھے

کہنا ہے جو وہ آج کہو اور ابھی کہو!
وعدہ برائے وعدۂ فردا نہ دو مجھے!

ہاتھوں میں ہاتھ دے کہ جو چلتے ہو تو چلو!
آنکھوں میں آنکھ ڈال کے سپنا نہ دو مجھے

دو اُتنا پیار جس کی کسک بھی میں سہ سکوں
دینا ہے دکھ تو پیار بھی گہرا نہ دو مجھے

جس کی جڑوں کو میں نے جگر کا لہو دیا
پھل اُس شجر کا موسمو! کڑوا نہ دو مجھے

یہ نظام دفن ہو گا

جمہوریت کے ہاتھوں
جمہور مر رہے ہیں
زندہ ہیں صرف نعرے
منشور مر رہے ہیں
نوکیلے پتھروں پر
مزدور مر رہے ہیں
محرومیاں نگل کے
مجبور مر رہے ہیں
پلٹے گا وقت دھارا
دیکھے گا جگ یہ سارا
ظلمت کی چلمنوں سے
نکلے گا اِک ستارا

روندے ہوؤں کے اندر
پھونکے گا پھر شرارا
یہ نظام دفن ہوگا
نئی روشنی کے ہاتھوں
پھر گونج یہ اٹھے گی
جمہور ہی کے ہاتھوں
دیکھو! وطن کے سارے
ناسور مر رہے ہیں
کچلے ہوئے ہیں زندہ
مغرور مر رہے ہیں

مکافاتِ عمل

جب کبھی ہم دعا یہ کرتے ہیں
یا الٰہی قرار دے ہم کو
توڑ دے اب خزاں کی زنجیریں
اب تو رنگِ بہار دے ہم کو

سانس مہنگے، لہو ہوا سستا
ایسے حالات میں جیئیں کیسے!
چاک ہے دامن و گریباں اب
روح کی دھجیاں سیئیں کیسے؟

بھوک ہے، گولیاں ہیں، چیخیں ہیں
جبر ہے، آفتیں ہیں ، وحشت ہے
رقص میں تیرگی کے موسم ہیں
زندگی بے بسی ہے، خِفّت ہے

پھر فلک سے صدا یہ آتی ہے
بزدلوں کو میں رول دیتا ہوں
عہد کر کے مکرنے والوں پر
در اذیّت کے کھول دیتا ہوں

تم نے نعرہ بنا کے کلمے کو
مجھ سے مانگا تھا اک وطن لوگو!
بھول کر مجھ کو کھو گئے ہو تم
بت گری میں اے بُت شکن لوگو

رہ کے حرص و ہوس کے سائے میں
خواہشوں کے بتوں کو پوجتے ہو
چھوڑ کر بندگی مرے در کی
کیسے کیسے بتوں کو پوجتے ہو

کرکے محدود مجھ کو مسجد میں
زندگی سے نکال دیتے ہو
اپنے ہاتھوں سے آگ کے اندر
اپنی ہستی اُچھال دیتے ہو

کب ہماری عطاء کی گلیوں میں
مصطفیٰ کا نظام لاؤ گے؟
جب تلک تم سے یہ نہیں ہوتا
ہم سے ہرگز نہ خیر پاؤ گے

منزلوں، راستوں کا مالک میں
تم ہی تیار کب ہو چلنے کو؟
اس بدی کے نظام کو لوگو!
کب نکلتے ہو تم بدلنے کو؟

جب بدلنے کا وقت آتا ہے
تم ہی ظالم کا ساتھ دیتے ہو
منزلوں سے تمہیں جو بہکا دے
اس کے ہاتھوں میں ہاتھ دیتے ہو

لے کے آدھا وطن سزا جو دی
ہم بھی اپنا حساب رکھتے ہیں
آج بھی وقت ہے سمجھ جاؤ
ورنہ باقی بھی چھین سکتے ہیں

جانتے ہو؟ اصول ہے میرا
خار بوؤ گے، خار پاؤ گے
ہارنا خود ہی تم اگر چاہو
جیت کھو دو گے، ہار پاؤ گے

خود جو بوتا ہے ہاتھ سے کانٹے
ہم کہاں پھر گلاب دیتے ہیں
ظلم خود پر اگر کرے کوئی
ہم بھی اس کو عذاب دیتے ہیں

فیصلوں میں کرو مجھے شامل
ظلم کرنے سے خود پہ رُک جاؤ
چوم لے گی قدم ہر اک منزل
بس درِ مصطفیٰ پہ جھک جاؤ

الیکشن کے بعد

بستیوں میں کھل گئے پھر
ظُلم کے کچھ در نئے
سر وہی، پتھر نئے
لوگ سمجھے تھے کہ اب ہم
آرزوؤں کے برگ ریزے سمیٹ لیں گے
فضاء میں لہرا رہے ہیں جو، وہ
تمام نیزے سمیٹ لیں گے
مگر ابھی تک
وہی صلیبیں، عذاب بن کر
فصیل جاں پہ جڑی ہوئی ہیں
قدم قدم پہ
گڑی ہوئی ہیں

سے نئے جزیروں کے سارے ارماں بکھر چکے ہیں
تمام نیزے، تمام خنجر
دلوں میں پھر سے اُتر چکے ہیں
ابھی حکومت ہے اندھی شب کی
ہلاکتوں کے سیاہ غاروں میں
آج پھر سے
طلوعِ فردا کی منتظر ہے نگاہ سب کی
لبوں پہ امڈی ہیں
پھر دُعائیں
دلوں سے نکلی ہیں پھر صدائیں
ہر اک دُعا انقلاب کی ہے
ہر ایک صدا انقلاب کی ہے

پیغام
دہشت گردوں کے نام

انداز یہ دہشت گردی کے
کسی طور ہمیں منظور نہیں
اس امن کی پیاسی دھرتی پر
انسان بنو! ناسور نہیں

حوروں کی خواہش میں مرتے
اور جنت جنت کرتے ہو
مخلوقِ خدا کی رگ رگ میں
خود کتنے جہنم بھرتے ہو

ہو ظلم کرم کے سائے میں؟
مولا کا یہ دستور نہیں
اس امن کی پیاسی دھرتی پر
انسان بنو! ناسور نہیں

شیطان کو دشمن جانتے ہو
شیطانوں کے ہتھیار ہو تم
جو خود سے خود پر چل جائے
وہ ظلم و ستم کا وار ہو تم

شیطان کہے ہر خودکش سے
وہ دیکھ جہنم دُور نہیں
اس امن کی پیاسی دھرتی پر
انسان بنو، ناسور نہیں

خود ساختہ دین پہ محشر میں
اِک قتل بھی بھاری نکلے گا
معصوم لہو کا ہر قطرہ
جب لے کے کٹاری نکلے گا

بارود کی طاقت لرزے گی!
مظلوم وہاں مجبور نہیں
اس امن کی پیاسی دھرتی پر
انسان بنو ناسور نہیں

کیا تم یہ چیخیں سنتے ہو؟
معصوم، یتیم اُجالوں کی
سن پاؤ تو کچھ کہتی ہیں
یہ لاشیں مرنے والوں کی
کچھ لُقمے ڈھونڈنے نکلا تھا!
میرا کچھ اور قصور نہیں
اس امن کی پیاسی دھرتی پر
انسان بنو، ناسور نہیں

میری گڑیا بھوک سے بلکے گی
پھر پاپا پاپا بولے گی
میرا بچہ درد سے روئے گا
میری روح فلک میں ڈولے گی
میرے بچو! مجھ کو معاف کرو
میں لاش ہُوں اب، مزدور نہیں
اس امن کی پیاسی دھرتی پر
انسان بنو، ناسور نہیں

کچھ کرنا ہے تو خار چنو
اس دیس کی جلتی راہوں سے
لپٹی ہیں کتنی زنجیریں
اشکوں میں ڈھلتی آہوں سے

ہر سانس ہے لرزاں جیون سے
یاں کون تھکن سے چُور نہیں
اس امن کی پیاسی دھرتی پر
انسان بنو، ناسُور نہیں

”سفیرِ امن“

سفیرِ امن عالم تم
محبت کی اذاں تم ہو
ہر اِک وحشت میں، نفرت میں
اخوت کا بیاں تم ہو

سفیرِ امن عالم تم
محبت کی اذاں تم ہو

جہاں مسند نشیں ہو تم
وہیں سے روشنی پھوٹے
ترا جذبہ کہ دنیا سے
یہ زنجیرِ ستم ٹوٹے

جفا کی تیز آندھی میں
وفا کا کارواں تم ہو
سفیرِ امن عالم تم
محبت کی اذاں تم ہو

بھڑکتے جا رہے ہیں
آتش نمرود کے شعلے
کہیں بادل غضب کے اور
کہیں بارود کے شعلے

بجھانے میں یہ شعلے
جہد کی اک داستاں تم ہو
سفیرِ امن عالم تم!
محبت کی اذاں تم ہو

مقیّد روحِ آزادی!
ہو جب سانسوں کے زنداں میں
خموشی سر کو ٹکرائے!
جہاں سوچوں کے طوفاں میں

بہت گھمبیر سنّاٹوں میں
حق کے ہم زباں تم ہو
سفیرِ امن عالم تم!
محبت کی اذاں تم ہو

سجے نہ اب کس سر پر
خدایا خون کا سہرا
نہ روندے بربریت اب
کسی انسان کا چہرہ

بھلائی مانگتا سب کی
دعا کا سائباں تم ہو
سفیرِ امن عالم تم!
محبت کی اذاں تم ہو

کوئی مذہب نہیں کہتا
کہ نفرت عام ہو جائے
سیاست کی تجارت میں
سکوں نیلام ہو جائے

یہی پیغام ہے تیرا
اِسی کے ترجماں تم ہو
سفیرِ امن عالم تم!
محبت کی اذاں تم ہو

دعا گو ہے ہر اک بیٹا
یہاں منہاجِ قرآں کا
خدا خود ہو نگہباں!
امن ِ عالم کے نگہباں کا

وہیں ہو خیر کی بارش
مرے قائد! جہاں تم ہو
سفیرِ امن عالم تُم!
محبت کی اذاں تم ہو

یہ قائد کیسا قائد ہے

یہ قائد کیسا قائد ہے؟
یہ قائد ایسا قائد ہے
ان سب تاریک فضاؤں کو
جو روشن کرتا جاتا ہے
جو عشقِ نبیؐ کے جذبوں سے
ہر دامن بھرتا جاتا ہے

جو اُن جذبوں کا وارث ہے
جو سورج بن کر چمکے تھے
جو اُن لہجوں کا حامل ہے
جو خوشبو خوشبو بکھرے تھے
جو ٹکرایا طوفانوں سے
ہر آندھی اور چٹانوں سے

جو پیار کرے انسانوں سے
جو لڑتا ہے بحرانوں سے
مستقبل کا وجدان ہے یہ
ہر دھڑکن کا ارمان ہے یہ
اک عظمت کا عنوان ہے یہ
ہر رہرو کا سامان ہے یہ
اِک منزل کا اعلان ہے یہ

احسان یہ رحمتِ عالمؐ کا
فیضان یہ غوث الاعظمؓ کا
یہ پیکر پیار وفاؤں کا!
یہ حاصل لاکھ دعاؤں کا
یہ نغمہ درد صداؤں کا!
یہ طائر عشق فضاؤں کا
یہ رہبر راہنماؤں کا!
یہ اُجلا روپ حیاؤں کا

یہ فخر وطن کی بہنوں کا
یہ نور سحر کے گہنوں کا

یہ آنچل بیٹی بیٹی کا!
یہ ناز ہماری دھرتی کا
یہ عزم تمام جوانوں کا
مزدوروں اور کسانوں کا

یہ قائد کیسا قائد ہے؟
یہ قائد ایسا قائد ہے
جو رحمت بانٹنے آیا ہے
ہر لمحہ اس کا سرمایہ
نعلین نبیؐ کا سایا ہے
اے جبر کی اندھی دیوارو
تم روکو رستے خوشبو کے
تم موڑو دھارے جادو کے

یہ خوشبو پھر بھی پھیلے گی!
یہ جادو پھر بھی بولے گا
یہ ایک مسافر کربل کا
اسے باطل سے ٹکرانا ہے
اسلام ہی غالب آیا تھا
اسلام ہی غالب آنا ہے

اے ظلم و ستم کے پروردو
فیضانِ نبیؐ کے صدقے میں
اُس پاک سخی کے صدقے میں
اور غوثِ جلیؓ کے صدقے میں
اب وقت وہ آنے والا ہے
جب جھنڈا میرے قائد کا
گھر گھر لہرانے والا ہے

اے ظلم وستم کے پروردو
ان لاکھوں روشن آنکھوں کے

جذبات پڑھو پیغام سنو
جن جذبوں کا اعلان ہے یہ
یہ ساری آنکھیں قائد کی!
یہ سارے بازو قائد کے
یہ سارے جذبے قائد کے
یہ سارے شعلے قائد کے!

جند جان جوانی قائد کی!
یہ پیار نشانی قائد کی
ہم چاہنے والے قائد کے
ہم لوگ جیالے قائد کے
بے داغ اُجالے قائد کے
ہر سانس حوالے قائد کے
انداز نرالے قائد کے
ہر ہونٹ پہ قصے قائد کے
ہر روح میں نغمے قائد کے
ہر بات میں لہجے قائد کے
ہم لوگ ستارے قائد کے

اے قوم کے جھوٹے غم خوارو
اے ارضِ وطن کے غدارو
ہم بپھری تند ہواؤں سے
ہر لمحہ لڑتے جائیں گے
تم پیچھے ہٹتے جاؤ گے
ہم آگے بڑھتے جائیں گے

شبنم سے وضو کر کے

گلنار گلابوں سے

خوشبو جو نکلتی ہے

اے ماہ جبیں تیرے

لہجے میں مہکتی ہے

الفاظ میں ڈھلتی ہے

"ایوان"

جہاں سے رات تو آئے سحر نہیں آتی
جہاں سے کوئی خوشی کی خبر نہیں آتی
جہاں سے قوم کسی کو نظر نہیں آتی!
جہاں سے کوئی صدا لَوٹ کر نہیں آتی
جہاں کے بانٹے ہوئے زخم لوگ سہتے ہیں
ہمارے مُلک میں ایوان اُس کو کہتے ہیں

جو پالتا ہے وزیروں کو اور مشیروں کو
جو دے بہت سی مراعات رشہ گیروں کو
جو خود سے دور ہی رکھے سدا فقیروں کو
کبھی نہ پوچھے جو دھرتی کی بے نظیروں کو
مرے وطن کے جہاں بے ضمیر رہتے ہیں
ہمارے ملک میں ایوان اُس کو کہتے ہیں

جہاں پہ لڑتے جھگڑتے ہیں قوم کے رہبر
خدایا کیسے ہیں رہبر جو خود نہیں رہ پر
جو مشترک ہوں مفادات تو چلیں مِل کر
نہ ہوں تو لگتے ہیں سب زہر میں بجھے نشتر
ہمیں جہاں پہ یہ ڈسنے کو سانپ پلتے ہیں
ہمارے مُلک میں ایوان اُس کو کہتے ہیں

یہ چور کہتے ہیں اک دوسرے کو چور جہاں
یہ چور چور کا تھمتا نہیں ہے شور جہاں
کسی بھی ظلم پہ چلتا نہیں ہے زور جہاں
کچھ اور سمت سے ہلتی ہے ان کی ڈور جہاں
جہاں یہ روز نئے پینترے بدلتے ہیں
ہمارے مُلک میں ایوان اُس کو کہتے ہیں

جہاں مفاد پہ قانون بدلے جاتے ہیں
چھپا کے ذات جہاں خون بدلے جاتے ہیں
نئے مرض سے یہ طاعون بدلے جاتے ہیں
خزانہ ایک ہے، قارون بدلے جاتے ہیں
جہاں یہ لڑ کے بھی اندر سے ایک رہتے ہیں
ہمارے مُلک میں ایوان اُس کو کہتے ہیں

جہاں سے کوئی بھی ٹھنڈی ہوا نہیں چلتی
ہماری سمت کوئی بھی گھٹا نہیں چلتی
وہیں برستی ہے، آگے عطا نہیں چلتی
جہاں کسی کی کوئی التجا نہیں چلتی!
وہاں سے نکلیں جو دریا وہیں پہ بہتے ہیں
ہمارے مُلک میں ایوان اُس کو کہتے ہیں

آمرّیت اور جمہوریّت

کھیل رہے گا کب تک جاری، باری باری
قوم کی دونوں نے مت ماری، باری باری

مُلک بنا کے جنگل، کب تک نکلیں گے؟
لے کر اپنے تیر شکاری، باری باری

اپنے اپنے ڈھول، تماشا اِک جیسا
بھگتے کتنی بار مداری، باری باری

زخموں کے بازار سجے ہیں راہوں میں
گھونپ رہے ہیں تیز کٹاری، باری باری

خواب سہانے باندھ کے سب کی پلکوں سے
کرتے ہیں پھر لرزہ طاری، باری باری

لے کر ساتھ ہجوم یہ چیلوں چمچوں کے
کرتے ہیں دورے سرکاری، باری باری

صف بستہ ہیں طاغوتی درباروں میں
مانگ رہے ہیں بھیک بھکاری، باری باری

خود کو کب تک قتل کرو گے لوگو! تم
دے کر ان کے ہاتھ میں آری، باری باری

چارہ گر کے روپ میں آنے والے یہ
دے جاتے ہیں نئی بیماری، باری باری

بستی بستی، بانٹ رہے ہیں یہ رہزن
ذلت، پستی، غربت، خواری باری باری

جیالا

بُھٹو بُھٹو کرتا ہوں میں
بھٹو کا دم بھرتا ہوں میں
بھٹو بھٹو کرتے کرتے
بھٹو کا دم بھرتے بھرتے
گہری سوچ میں کھو جاتا ہوں
دیوانہ سا ہو جاتا ہوں
جس نے فکر دیا تھا ہم کو
روٹی، کپڑے اور مکاں کا
جس کی آنکھ میں خواب تھا روشن
بچے، بوڑھے اور جواں کا
اب وہ اک خاموش کفن میں
لپٹا قبر میں جا سویا ہے

رفتہ رفتہ فکر بھی اس کا
گردِ سیاست میں کھویا ہے
فکر سلامت، قائد زندہ
فکر مرے تو قائد مردہ

فکر کو مارا، نعرے بیچے!
خواب وہ روشن سارے بیچے!
اس کے نام کی مالا جپتے!
غول کے غول شکاری نکلے
قبر پہ اس کی سیاست کرنے
رنگ بہ رنگ مداری نکلے

اس کا فکر جو ہوتا رہبر
گھر گھر میں خوشحالی ہوتی
عزت، آنچل، غیرت کی یوں
ہرگز نہ پامالی ہوتی!
اسکے نام پہ پلنے والا
ایک بھی اس کا عکس نہیں ہے

جو کچھ اب ہم دیکھ رہے ہیں
کیا اُس کے برعکس نہیں ہے؟

جی کرتا ہے قبر پہ اس کی
رو کر، دھاڑیں مار کے بولوں
دیکھ اے بھٹو! اپنے وارث
تیرے نام کے یہ سوداگر
کب سے تجھ کو بیچ رہے ہیں
خواب ترے سب بیچ رہے ہیں

بھوک کی آگ لگاتے یہ ہیں
وحشت کو پھیلاتے یہ ہیں
آس امید مٹاتے یہ ہیں
گھر گھر اشک رُلاتے یہ ہیں
مہنگائی کے جال یہ پھینکیں
ہر شہ رگ کو کستے جائیں
حرص و ہوس کے زہر میں ڈوبے
سانپ یہ ہم کو ڈستے جائیں

بجلی کا وہ کال پڑا ہے
گھر گھر میں اندھیر مچا ہے
میری بیٹی پوچھ رہی ہے
عمر گزاری تو نے بابا!
بھٹو بھٹو کرتے کرتے
میرے ہاتھ یہ پیلے کرنے
بھٹو والے کب آئیں گے؟
میرا بیٹا پوچھ رہا ہے!
ڈگری کس چولہے میں پھینکوں؟
گھر میں لیٹی بوڑھی ماں کی
نوچ رہی ہیں آہیں مجھ کو
دھیرے دھیرے گھور رہی ہیں
قبرستان کی راہیں مجھ کو

اُٹھ بھٹو! اُٹھ قبر سے اپنی
تجھ کو تیرا مُلک دکھاؤں

اک اک بستی اک اک قریہ
اک اک نگری میں لے جاؤں
داغوں والی صبحیں، ہم کو
شام بھی شامِ جبر ملی ہے
روٹی، کپڑا اور مکاں کیا؟
فاقے، ننگ اور قبر ملی ہے

گالی، گولی، ہڑتالیں ہیں
خودکش ہیں یا خودکشیاں ہیں
ووٹر کے گھر خوف مسلّط
گھر میں لیڈر کے خوشیاں ہیں

لوٹ کھسوٹ سے دامن بھر کے
بھٹو بھٹو کہتے ہیں!
بھٹو بھٹو کہہ کے ہم بھی
جینے کے دکھ سہتے ہیں

اِن کا بھٹو اور ہے جو!
رکھوالا ہے زرداروں کا
میرا بھٹو اور تھا جو!
تھا ساتھی ہم ناداروں کا

کیا اب بھی بھٹو زندہ ہے؟
کیا اُس نے یہ کردار دیا؟
اِس لُوٹ کھسوٹ کے بھٹو نے
وہ میرا بھٹو مار دیا

اے راہ سے بھٹکے، راہبرو
اُس فکر کو تم نے قتل کیا
تم بھی ہو قاتل بھٹو کے
میں تم سے نفرت کرتا ہوں
ہر زندہ جھوٹے بھٹو سے
میں آج بغاوت کرتا ہوں

”ریاست ہوگی ماں کے جیسی“

کالے کوٹ کا نعرہ کیا تھا؟
ریاست ہوگی ماں کے جیسی
کاش کبھی ہم سوچتے یوں بھی
سیاست ہوگی ماں کے جیسی
اُجلی اُجلی، نکھری نکھری!
جھوٹ سے پاک، اخلاص میں ڈوبی
دیس میں سب کی خیر مناتی!
کانٹے چُنتی، پھول سجاتی
اُلٹے یہ احوال ہوئے ہیں
اور بھی لوگ نڈھال ہوئے ہیں

سیاست میں بھی نفرت اُتری
ریاست میں بھی وحشت پھیلی
گلیوں گلیوں خوف کا پہرا
زرد ہوا ہر رنگ سنہرا!
بھوک شکنجے کستی جائے!
مہنگائی یہ ڈستی جائے
اب تو ماں بھی ڈر جاتی ہے
کس کے ہاتھ کی اندھی گولی!
کس کے خواب کا خوں چاٹے گی!
بچے گھر سے کیسے بھیجوں؟
زندہ لوٹ کے آجائیں گے؟
سر کا تاج پلٹ آئے گا؟
بیٹا میرا بچ پائے گا؟
بیٹی کیسے رخصت ہوگی؟
دکھ سے بوجھل سوچ سے لپٹی
خدشوں کی منڈیر پہ بیٹھی

اُلجھی اُلجھی، بکھری بکھری
مستقبل کے خوف سے لرزاں
ماں کی آنکھ میں آ اُتری ہے
درد کی لمبی کالی رات
دھرتی کی اس سیاست جیسی
گم سم بیٹھا سوچ رہا ہوں
ماں کے جیسی کہاں ریاست؟
اب تو ماں ہے ریاست جیسی

قسمتوں کو رو رہے ہیں، رہبروں کی بھیڑ میں
منزلوں کو کھو رہے ہیں، رہبروں کی بھیڑ میں

اپنی اپنی ٹولیاں ہیں، اپنی اپنی بولیاں
لوگ پاگل ہو رہے ہیں، رہبروں کی بھیڑ میں

اب نہیں ہمت خدایا، جائیں تو جائیں کہاں
کب سے لاشیں ڈھو رہے ہیں، رہبروں کی بھیڑ میں

بے بسی کی گرد میں، لپٹے یہ چہرے اب بھی ہم
آنسوؤں سے دھو رہے ہیں، رہبروں کی بھیڑ میں

اپنے اپنے وقت پر نکلیں گے ٹیسیں اوڑھ کر
درد اب جو سو رہے ہیں، رہبروں کی بھیڑ میں

ہے صدا دھرتی کی، لوگو! پھر مرے سینے میں اب
غیر کانٹے بو رہے ہیں، رہبروں کی بھیڑ میں

اک ہی اُٹھتا ہے بدل دیتا ہے قوموں کا نصیب
مر مٹے ہیں جو رہے ہیں رہبروں کی بھیڑ میں

جرأت و بہادری، طاہرالقادری

بڑھ رہی ہے روشنی
بٹ رہی ہے آگہی
سازِ انقلاب سے
جھوم اٹھی ہے زندگی
وقت وہ بھی آئے گا
ختم ہوگی بے بسی

اک صدائے دلنواز اب لہو میں گھل گئی
جرأت و بہادری، طاہر القادری

چوم لیں گے بڑھ کے ہم
ہر صلیب و دار کو
سونپ دیں گے دھڑکنیں
روح کی پکار کو
یوں قرار آئے گا
قلب بے قرار کو
اب خدا نے بخش دی ہے رہرووں کو رہبری
جرأت و بہادری، طاہر القادری

انقلاب کے لئے
جان ہم لٹائیں گے
مصطفیٰؐ کے دین کا
ہم علم اٹھائیں گے
ہر فصیلِ ظلم کو!
توڑ کر دکھائیں گے
گونج اٹھے گی اس صدا سے اس وطن کی ہر گلی
جرأت و بہادری، طاہر القادری

راستوں کی سختیاں
ہم سہیں گے صبر سے
ہم نہ خوف کھائیں گے
موت اور قبر سے
ظالموں کے ظلم سے
جابروں کے جبر سے
کر چکے ہیں ہم کسی کے نام اپنی زندگی
جرأت و بہادری، طاہر القادری

ہم آگے بڑھتے جائیں گے

ہم آگے بڑھتے جائیں گے

ہر ظالم سے، ہر جابر سے، ہر موڑ پہ لڑتے جائیں گے

ہم آگے بڑھتے جائیں گے

اب دیوانے ٹکرائیں گے

ہر زنداں کی دیواروں سے

اب ڈرنا کیا، گھبرانا کیا!!

طوفان کے بہتے دھاروں سے

ہم مصطفوی ہیں، دُنیا میں ہم زور پکڑتے جائیں گے

ہم آگے بڑھتے جائیں گے

ان سناٹوں کو چیریں گے!
ہم جذبوں کی شمشیروں سے
یہ رستے رُک، نہ پائیں گے!
ان نیزوں سے، ان تیروں سے
ہم عظمت کے میناروں پہ، ہر لمحہ چڑھتے جائیں گے
ہم آگے بڑھتے جائیں گے

سنسار کی ساری دُنیا کو
اک روز خبر ہو جائے گی
دم توڑے گی ہر تاریکی
پر نُور سحر ہو جائے گی!
ہم لوگ جدھر سے گزریں گے، یُوں تارے جڑتے جائیں گے
ہم آگے بڑھتے جائیں گے

ہم جیسے خستہ حالوں کا!
اب ایک سہارا نکلا ہے
اس اُمت کی اُمیدوں کا
وہ دیکھ ستارا نکلا ہے!!

اے طاہر تیرے ہر قریہ میں، پرچم گڑتے جائیں گے
ہم آگے بڑھتے جائیں گے

مگر کب تلک

کب تلک
رُوح کے ان دریچوں میں یُوں
آن ہر آن، ہر لمحہ لہرائیں گے
دہشتوں کے علم
اور جسموں کے ان تپتے صحراؤں میں
یُوں ہی جُھلسے گا خوں
کب تلک
اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے ہم
اپنے اذہان میں
قلب میں اور ہر ایک شریان میں
خوف کی سازشیں
کب تلک یُونہی اُلجھی رہیں گی یہاں
چشمِ بے خواب سے
غم کے گرداب سے
سانس کی ڈوریاں

کب تلک ان مسائل کے انبار سے
دوستو! یہ خمیدہ رہے گی کمر!
کب ملے گا ثمر

آرزوؤں، تمناؤں میں کاٹ دی
ہم نے یہ زندگی
ہم جو آلام کے سنگ کھاتے رہے
سنگ کھاتے مگر مسکراتے رہے

دے رہی ہے شہادت زمینِ وطن

ہم بھی ہارے نہیں

ڈوب جائیں گے جو ہم وہ تارے نہیں
ہم کو معلوم ہے یہ گھنی رات ہے
پر یہ روکے رہے گی سحر کب تلک؟
ملک کی اس سیاست کے پردے میں یوں
ظلم پلتا رہے گا، مگر کب تلک؟

ہم طاہر طاہر بولیں گے

اس سونی سونی دھرتی پر
ظلمات نے پنجے گاڑے تھے
اس حبس کی ماری دنیا میں
دم گھٹتا تھا انسانوں کا
ہر سانس میں خنجر رقصاں تھے
جو سینہ سینہ چلتے تھے
ہر آنکھ میں آنسو پلتے تھے
جو قریہ قریہ بہتے تھے
ہر دھڑکن دھڑکن مردہ تھی
ہر لمحہ زہر اگلتا تھا!
ہر روح کا موسم اُجڑا تھا
ہر سمت خزاں کی وحشت تھی

پھر ظلمت کے اندھیاروں میں
اک دیپ جلایا قدرت نے
وہ دیپ محمدؐ کہلایا
دنیا کے ہر ہر گوشے میں
اس دیپ کی کرنیں پھیل گئیں

یہ دیکھ کے ظلمت گاہوں سے
ظلمات کے خوگر بھی نکلے
وہ سانپ سپولے سب مل کر
اس تنہا دیپ پہ ٹوٹ پڑے
اتنے میں کچھ پروانے بھی
اس دیپ کی عظمت کی خاطر
گھر بار لٹانے آ پہنچے!
ان پروانوں کے جذبوں سے
ٹکرا کر پاش ہوئے طوفاں
دم ٹوٹا سانپ سپولوں کا
وہ دیپ جلا جو مکّے میں
اُس دیپ سے کتنے دیپ جلے

وہ دیپ صحابہؓ کہلائے
اک دیپ جلا بغداد میں بھی
جو غوث الاعظمؓ کہلایا
اک دیپ ہے جو ہجویری ہے
اُسے داتا داتا کہتے ہیں
اک دیپ ہے جو اجمیری ہے
اسے خواجہ خواجہ کہتے ہیں
اک دیپ ہے پاک پتن والا
جسے بابا بابا کہتے ہیں
اک دیپ نے کوئٹہ سے آ کر
لاہور کی دھرتی چمکائی
اک دیپ کو طاہر کہتے ہیں
یہ دیپ ادارہ منہاج القرآن
کی صورت روشن ہے
جو بستی بستی بستا ہے!
جو قریہ قریہ جلتا ہے!

اِس دیپ کو میرے آقاؐ کی
رحمت نے ہم میں چمکایا
اس دیپ نے کملی والےؐ کی
نگری کا رستہ دکھلایا
وہ وقت یقیناً آئے گا
جب ظلم کے خوگر ڈولیں گے
پیغام بنے گا نقارہ
ہر خون میں جذبے گھولیں گے
ہم پروانے اس دیپ کے ہیں
ظلمات کے بندھن کھولیں گے
یہ دھڑکن جب تک زندہ ہے
ہم طاہر طاہر بولیں گے

ہر ظُلم کو مٹا دو

رحمت کا ہے اشارا
منزل نے پھر پکارا
لوگو قدم بڑھا دو
ہر ظلم کو مٹا دو!!
ذہنوں میں ارتقاء کی ہر سوچ جل رہی ہے
ہر دل میں وحشتوں کی اک آگ پل رہی ہے
میرے وطن کے بیٹو اب خاک پر نہ لیٹو
دھرتی فلک بنا دو
ہر ظلم کو مٹا دو!

طاغوت کا مقدر تاریک ہو چکا ہے
اب ہر چراغ وقفِ تحریک ہو چکا ہے
تاروں کی جگمگاہٹ کلیوں کی مسکراہٹ
ہر ہونٹ پر سجا دو
ہر ظلم کو مٹا دو

بہتے رہیں ہمیشہ جھرنے یہ ولولوں کے
اب ختم ہو رہے ہیں آزار فاصلوں کے
آئے گا سبز موسم بڑھتے چلو یُوں پیہم
گرتوں کو حوصلہ دو
ہرظلم کومٹادو

میدانِ کر بلا سے اُٹھتی ہیں پھر صدائیں
آؤ یزیدیت کی دیوار کو گرائیں
ملت کے نوجوانو! قرآں کے پاسبانو!
کچھ کر کے اب دکھادو
ہرظلم کومٹادو

گونجے گا اب عوامی تحریک کا ترانہ
دے گا اسے سلامی اک روز یہ زمانہ
آگے قدم بڑھا کر اس کاعلم اٹھا کر
ہر بام پر سجا دو
ہرظلم کومٹادو

جوانیاں لٹائیں گے، انقلاب لائیں گے

اے وطن کی وادیو اے اداس بستیو
اک نویدِ جاں فزا آ رہی ہے اب سنو
ابرِ کرب و درد کے اب یہاں نہ چھائیں گے
جوانیاں لٹائیں گے انقلاب لائیں گے

لے کے چل دیئے ہیں ہم، انقلاب کا علم
سب جوان ولولے، ہو رہے ہیں ہم قدم
بڑھ رہا ہے قافلہ، آج سوئے کربلا
خاک میں ملائیں گے، مان ہر یزید کا

پھر زمیں پہ ہم لہو کی کہکشاں سجائیں گے
جوانیاں لٹائیں گے انقلاب لائیں گے

کتنے گھر جلا دیئے ہیں نفرتوں کی آگ نے
اُلفتوں کو ڈس لیا ہے وحشتوں کے ناگ نے
قریہ قریہ کو بہ کو ناچتی ہیں ظلمتیں
گونجتی ہیں سسکیاں جل رہی ہیں حُرمتیں

اس وطن میں راحتوں کے دیپ ہم جلائیں گے
جوانیاں لٹائیں گے انقلاب لائیں گے

رو رہی ہے ہر نگر تار تار زندگی
ڈھونڈتی ہے منزلیں بے قرار زندگی
ولولے حیات کے سرد ہیں، نڈھال ہیں
آج ہر نگاہ میں کس قدر سوال ہیں

غمزدوں کو زندگی کا رُخ نیا دکھائیں گے
جوانیاں لٹائیں گے انقلاب لائیں گے

رہبروں کی بھیڑ میں اک عظیم راہبر
انقلاب کی صدا دے رہا ہے ہر نگر
ہر فصیل ظلم کو بڑھ کے توڑ دیں گے ہم
رُخ ہوائے تند کا، بڑھ کے موڑ دیں گے

ہم وفا کے راستوں سے، لوٹ کر نہ جائیں گے
جوانیاں لٹائیں گے ، انقلاب لائیں گے

مشکلیں، اذیّتیں، راستوں کی گرد ہیں
جان لے عدو کہ ہم معرکوں کے مرد ہیں
طے کریں گے عزم سے پتھروں کی رہگذر
ہم قدم ہے روشنی، ولولے ہیں ہم سفر

جراتوں سے پربتوں میں راستے بنائیں گے
جوانیاں لٹائیں گے انقلاب لائیں گے

طُوفان

ہم کو چاہئے روٹی پانی، تم مانگو ایوان
اپنا جیون آگ کی دھونی، تم اِس سے انجان
ریزہ ریزہ خواب ہمارے، سُکھ تم پہ قربان
کیسے اپنے اور تمہارے رستے ہوں یکجان
ہو جاؤ تم ہم جیسے یا ہم کو ملے اڑان
ورنہ اونچ اور نیچ یہ بننے والی ہے طوفان

تیرا ہر پل تیری ہر خواہش کا ہو جلّاد
بیٹھے بیٹھے آن پڑے گر تم پر بھی اُفتاد
چوراہے پر ماری جائے تیری بھی اولاد
پھر تجھ کو معلوم ہو کیا ہے غربت کی رو داد
چھوڑ سکے تو چھوڑ دے خود ہی آج ہماری جان
ورنہ اونچ اور نیچ یہ بننے والی ہے طوفان

تیرے گھر بھی بجلی جائے، گیس کو تُو بھی روئے
خدشے شب بھر کاٹیں تجھ کو، چین کی نیند نہ سوئے
فٹ پاتھوں کی خاک تُو چھانے، سر پہ پتھر ڈھوئے
پھر رہزن کے ہاتھوں اپنی ساری پُونجی کھوئے

ہمّت ہے تو جھیل اسے، محسوس تو کر بحران
ورنہ اونچ اور نیچ یہ بننے والی ہے طوفان

چھوڑ کے اپنا عیش کدہ، یہ اپنا تاج محل
تپتی دُھوپ میں تُو بھی اک دن رزق کمانے چل!
خالی مُٹھی، دیکھ کے ڈھلتا سورج، تو بھی ڈھل
گھر کا بجھتا چولہا دیکھ کے ہو جائے تُو شل

جی کے دیکھ غریب کے جیسا چھوڑ کے جھوٹی شان
ورنہ اونچ اور نیچ یہ بننے والی ہے طوفان

تنکا تنکا جوڑ کے بیٹی رخصت کر کے دیکھ
اک جیون کی خاطر تُو بھی برسوں مر کے دیکھ
جن حالات سے مفلس گزرے تو بھی گزر کے دیکھ
آئینوں میں چُھپ چُھپ جلوے چشمِ تر کے دیکھ
پھیر دے ظلم کی جانب اپنے سارے تیر کمان
ورنہ اونچ اور نیچ یہ بننے والی ہے طوفان

بدمعاشوں کے ٹولے کو ہم راہنما کیوں مانیں
سانپوں کی پھنکار کو لوگو، حق کی صدا کیوں مانیں
بدبودار ہواؤں کو ہم بادِ صبا کیوں مانیں
زہر میں ڈوبی راکھ کو ہم، مرضوں کی دوا کیوں مانیں
ہر فرعون کو بتلا دو اب بن جائے انسان
ورنہ اونچ اور نیچ یہ بننے والی ہے طوفان

انتخابی نظام

یہ انتخابی نظام ایسا سفر ہے جس میں
نہ کوئی منزل نہ منزلوں کا سراغ کوئی
کہ جس کے ہر سنگِ میل پر ہیں گڑی صلیبیں
جہاں سے چلتے ہیں لوٹ آتے ہیں پھر وہیں پر
عجب سفر ہے یہ دائروں کی مسافتوں کا
قدم قدم پر بچھے ہوئے ہیں بھنور زمیں پر

یہ انتخابی نظام ایسا گڑھا ہے جس میں
لگا کے نعرے یہ کود جاتی ہے قوم ایسے
کہ سالہا سال تک چٹختی ہیں ہڈیاں پھر
نہ کوئی مرہم، نہ کچھ مداوا اذیتوں کا
غبار چھٹتا ہے خوش گمانی کا جب نظر سے
تو بھید کھلتا ہے حکمرانوں کی نیتوں کا

یہ انتخابی نظام ہے سبز باغ ایسا
جو مفلسوں کے لئے اگاتا ہے بس امیدیں
کہ جس کا پھل چند خاندانوں کا رزق ٹھہرے
جو قوم کی سمت صرف چھلکے اُچھالتے ہیں
نچوڑ لیتے ہیں قطرہ قطرہ لہو رگوں سے
اور اس سے اپنی غلیظ نسلوں کو پالتے ہیں

یہ انتخابی نظام ہے ایک کھیل ایسا
جو زور سے زر کے زیر کرتا ہے ہر زبر کو
جو قابلیّت کو دے کفن، جاہلوں کو رُتبہ
جو تاجروں کو کرے مسلّط بنا کے رہبر
قسم خدا کی، جو بس چلے اپنی بے بسی کا
ڈبو دے دریا میں ایسے سارے اٹھا کے رہبر

یہ انتخابی نظام ہے اک سراب جیسا
کہ ریت ہو کر دکھائے تشنہ دہن کو پانی
یہ کیسے قانون اور کیسے یہ ضابطے ہیں
جو غاصبوں اور جابروں کو نہ روک پائیں
یہ کیسا منحوس، وحشیانہ ہے فیض اس کا
کہ لُوٹنے والے راہزن پھر سے لَوٹ آئیں

ایسی جمہوریت ہم نہیں مانتے

ہر گھٹا چند لوگوں پہ برسے جہاں
اپنے حق کو ہر اک شخص ترسے جہاں
جس میں حاکم، ہتھیلی پہ افلاس کی
آنسوؤں کا یہ ماتم نہیں جانتے
ایسی جمہوریت ہم نہیں مانتے

ان کا چلتا اسی دور میں کام ہے
یہ تو ان کے مفادات کا نام ہے
اس کے پروردہ دھرتی سے رستا لہو
اور وحشت کا عالم نہیں جانتے
ایسی جمہوریت ہم نہیں مانتے

ووٹ کا ایک دن، یہ ترے ساتھ ہے
پھر یہ اونچے محلوں کی سوغات ہے
روتے روتے پھر اگلے الیکشن تلک
کب نکل جائے گا دم، نہیں جانتے
ایسی جمہوریت ہم نہیں مانتے

جس میں گھوڑے گدھے سب برابر رہیں
ہوں جو کثرت میں جاہل تو برتر رہیں
جس میں علم و ہنر کا جنازہ اُٹھے
کوئی جانے مگر ہم نہیں جانتے
ایسی جمہوریت ہم نہیں مانتے

آمریت میں بھی خوں سے تر ہو گئے
یہ جو آئی تو تاریک گھر ہو گئے
کب تلک زخم کھائیں گے اہلِ وطن
اور کتنا ہے دم خم، نہیں جانتے
ایسی جمہوریت ہم نہیں مانتے

مان لے اب کہ تیری نہ میری ہے یہ
ایک عیاش طبقے کی لونڈی ہے یہ
ہاں فقط انقلاب اپنا دمساز ہے
حکمراں یہ دمادم نہیں جانتے
ایسی جمہوریت ہم نہیں مانتے

بول فقیرا بول

ہاتھ ہیں دو، اِک ہاتھ میں ایٹم، ایک میں ہے کشکول

کیا ہے تیرا مول

بول فقیرا بول

دو آنکھیں، اِک آنکھ میں غیرت، دُوجی کچھ ناں پھول

کیا ہے تیرا مول

بول فقیرا بول

تاباں تاباں، روشن روشن تیرے محل منارے

دُکھ سے عاری چہرہ تیرا، شاد ترے ہر کارے

تو کُرسی پر، کرسی نیچے دفن خزانے سارے

پھر بھی تیری حرص نہ ٹوٹے، نیت جائے ڈول

کیا ہے تیرا مول

بول فقیرا بول

سیاست تیری صرف تجارت، بس اِک کالا دھندہ
مار کے غیرت اپنی مانگے مُلکوں مُلکوں چندہ
تجھ کو اس سے مطلب ہی کیا دھندہ ہے گر گندہ
قوم کی عزت کے بدلے تو سونا چاندی تول
کیا ہے تیرا مول
بول فقیرا بول

قوم نے تجھ کو تخت دیا اور تو نے زخم چٹائے
غیر کو تم نے اپنا سمجھا اور اپنے ٹھکرائے
لہرائے جو ڈالر اُس کے آگے جھک جُھک جائے
اُڑتی جائے گڈی تیری، کھاتی جائے جھول
کیا ہے تیرا مول
بول فقیرا بول

پھیلے ہاتھ، ہوس میں ڈوبی آنکھیں، دل بے تاب
قرضوں، بھیک، امداد کا مانگے روز نیا سیلاب
کب یہ تیرا پیٹ بھرے گا، کب ہوگا سیراب
زہر کرپشن کا اِس دیس کے خون میں اور نہ گھول

کیا ہے تیرا مول
بول فقیرا بول

چراغ تلے اندھیرا

عجیب ہے یہ نظام لیکن
عجیب تر ہے تضاد اس کا
کہ وہ کساں جو زمیں کا چہرہ نکھارتا ہے
گلِ تمنا کی سبز خوشبو
جو وادیوں میں اُتارتا ہے
اسی کا چہرہ
بجھا ہوا ہے
غبارِ غم سے اٹا ہوا ہے
جو خشک مٹی کی تشنگی کو لہو سے سیراب کر رہا ہے
پیاس سے آپ مر رہا ہے
جو بکھرے دانے سمیٹتا ہے
وہ رفتہ رفتہ بکھر رہا ہے
اور مزدور
جس کے دم سے

جبین روشن ہے اس وطن کی
وہ آپ ظلمت میں جی رہا ہے
بُھوک کا زہر پی رہا ہے
ہر اک ہُنر بے مراد اس کا،
عجیب ہے یہ نظام لیکن
عجیب تر ہے تضاد اس کا

دور اِک ٹکڑا بدلی کا

بٹ ملک جٹ رانے گجر، چھٹے ڈوگر ملّہی ہم
خان ارائیں راجے کھوسے، مغل ٹوانے لودھی ہم
اہل حدیث، دیو بندی ہم، شیعہ ہم اور سُنّی ہم
پنجابی، پختون، سرائیکی، سندھی اور بلوچی ہم
پیپلیے اور مہاجر، مسلم لیگی اور سونامی ہم
اتنی تقسیموں میں بولیں، کیسی کیسی بولی ہم!

رحم خدایا، رحم خدایا، تو ہے مالک رب رحمان
کب اپنی پہچان بنیں گے اِک اسلام اور پاکستان

ہم میں سے ہر شخص ہے ذمہ دار ہر اِک انہونی کا
پوچھے رہبر حال نہ دیکھا دیس یہ زخمی زخمی کا

سایا ساتھ لئے پھرتے ہیں، اپنی اپنی سولی کا
سب دعوے، منشور کہ جیسے، دور اک ٹکڑا بدلی کا
علم، ہنر اور ملّی وحدت، بھولے راز ترقی کا
ہم نے دیکھے ذات، قبیلے، کب سوچا ہے دھرتی کا؟

غربت، دہشت اور جہالت کیوں نہ بنتے پھر پہچان
کب اپنی پہچان بنیں گے اِک اسلام اور پاکستان

قریہ قریہ، خانہ خانہ، کیسے کیسے بکھرے ہیں!
اک دوجے پر ہنستے ہیں ہم، اک دوجے کو ڈستے ہیں
اپنے آپ کو مارا ہم نے، اپنے آپ سے الجھے ہیں
اپنے نام نمود کی خاطر، جیتے ہیں ہم مرتے ہیں
ساری دنیا آج تماشائی، ہم لوگ تماشے ہیں
قد آور کب قوم ہوئی وہ، لیڈر جس کے بونے ہیں

کب تک ذلت کے رستوں پر، ہم کو ہونا ہے ہلکان
کب اپنی پہچان بنیں گے اِک اسلام اور پاکستان

مرا قائد

مرا قائد خدا کی رحمتوں کا خاص سایا ہے
ہوئی ہوگی کرم کی خاص بارش اس جگہ لوگو!
وہ جس مٹی سے قدرت نے مرا قائد بنایا ہے
مرا قائد خدا کی رحمتوں کا خاص سایا ہے

میں اُن قدموں سے لپٹی اپنی سانسیں دیکھ لیتا ہوں
جنہوں نے مصطفیٰؐ دیکھا، وہ آنکھیں دیکھ لیتا ہوں
اِسی ماتھے پہ بوسہ مصطفیٰؐ کا جگمگایا ہے
مرا قائد خدا کی رحمتوں کا خاص سایا ہے

اُجالا زندگی کا ہے، وہ صبحِ نو کی صورت ہے
وہ ایسا رنگ ہے جو، ہر گلستاں کی ضرورت ہے
اسے خوشبو نے چاہا ہے، صبا نے گنگنایا ہے
مرا قائد خدا کی رحمتوں کا خاص سایا ہے

وہ جس کے فکر نے تاباں کئے گوشے زمانے کے
بنے پیغام جس کے دن، نیا خورشید آنے کے
وہ جس کے رتجگوں نے ایک عالم کو جگایا ہے
مرا قائد خدا کی رحمتوں کا خاص سایا ہے

وہ جس عنوان میں چمکے، اُسے تابندہ کر جائے!
وہ جس مضمون کو چُھو لے، اسی میں سانس بھر جائے
کہیں ایسا بھی دیکھا ہے؟ کہیں ایسا بھی پایا ہے؟
مرا قائد خدا کی رحمتوں کا خاص سایا ہے

وہ اپنے وقت کا رُومی ہے، رازی ہے، غزالی ہے
پرانی روشنی اس دور پر قدرت نے ڈالی ہے
وہ رنگ اسلاف کا ہم کو خدا نے پھر دکھایا ہے
مرا قائد خدا کی رحمتوں کا خاص سایا ہے

ہم اس کے دور میں زندہ ہیں لوگو! یہ سعادت ہے
جو اس سے ہو گیا محروم وہ محروم قسمت ہے
بہت خوش بخت ہے جس نے اسے دل میں بسایا ہے
مرا قائد خدا کی رحمتوں کا خاص سایا ہے

وہ ملکِ سخن کا شہزادہ

(دعوتِ خطاب)

وہ عشقِ نبیؐ کا دلدادہ
وہ ملکِ سخن کا شہزادہ
جو بولے تو اسرار کھلیں
یا قوتوں کے بازار کھلیں
پھر لفظوں کے دربار کھلیں
پھر معنوں کے انبار کھلیں
کئی بند درِ افکار کھلیں
ہاں جب یہ لبِ اظہار کھلیں

پھر جذبے موتی چُنتے ہیں
پھر خار بھی ریشم بُنتے ہیں
خود نغمے بھی سر دُھنتے ہیں
جیسے بیٹھ کبوتر سُنتے ہیں

ہر دل کی کلی کھل جاتی ہے
خود خوشبو وجد میں آتی ہے
ہر روح کو جو مہکاتی ہے
پھر طیبہ میں لے جاتی ہے
ہر شخص سکندر ہوتا ہے
چاہت کا سمندر ہوتا ہے
اک نور سا اندر ہوتا ہے
آنکھوں میں قلندر ہوتا ہے
اک چہرہ روشن روشن ہے
مسکان سحر سے پیاری ہے
دل چیر کے اندر آ اُترے
گل لہجہ، آنکھ کٹاری ہے

یہ قائد نام ہے عظمت کا
یہ قائد ناز ہے اُمت کا
یہ قائد پیکر حکمت کا
یہ قائد دیپ محبت کا

یہ قائد نور فراست کا
یہ قائد عزم صداقت کا
یہ قائد ابر ہے رحمت کا
یہ قائد فخر خطابت کا
اب کان لگاؤ جس جانب
ہر سمت صدا ہے طاہر کی
ہرہونٹ پہ نام ہے طاہر کا
سوچوں میں ضیاء ہے طاہر کی

جذبوں میں طاہر طاہر ہے
آنکھوں میں طاہر طاہر ہے
صبحوں میں طاہر طاہر ہے
شاموں میں طاہر طاہر ہے
پھولوں میں طاہر طاہر ہے
کلیوں میں طاہر طاہر ہے
رستوں میں طاہر طاہر ہے
گلیوں میں طاہر طاہر ہے

ہر آن میں طاہر طاہر ہے
ہر جان میں طاہر طاہر ہے
وجدان میں طاہر طاہر ہے
ارمان میں طاہر طاہر ہے
للکار میں طاہر طاہر ہے
یلغار میں طاہر طاہر ہے
کہسار میں طاہر طاہر ہے
گلزار میں طاہر طاہر ہے

ابھی قائد میرا بولے گا
پھر پھول سے جھڑنے والے ہیں
بے رنگ سماعت کے اندر
پھر موتی جڑنے والے ہیں
پھر عاشق کملی والےؐ کے
قدموں میں پڑنے والے ہیں
طاغوت کے کالے سینے میں
کچھ تیر سے گڑنے والے ہیں

لہجے کے نور سے ظلمت کے
پھر پاؤں اکھڑنے والے ہیں
ان نفرت کے شیطانوں سے
پھر شُعلے لڑنے والے ہیں
آواز یہ روحوں میں بھرلو
پیغام بسا لو سینے میں
چلو انگلی تھام کے قائد کی
چلتے ہیں شہر مدینے میں

استقبالِ قائد

اداس لوگو! نظر اٹھاؤ
وہ دیکھو دیکھو وہ کون آیا
یہ کس کا چہرہ چمک رہا ہے
یہ کون آنکھوں میں جگمگایا
اداس لوگو! نظر اٹھاؤ!
وہ دیکھو دیکھو وہ کون آیا

وہ جس کے ہجر و فراق سے یہ
اُجاڑ گلیاں دہک رہی تھیں
وہ جس کو جذبے پکارتے تھے
یہ آرزوئیں سسک رہی تھیں
اگرچہ یہ سانس چل رہے تھے
یہ دھڑکنیں بھی دھڑک رہی تھیں
مگر جدائی میں لمحہ لمحہ
اداسیاں یہ بھڑک رہی تھیں

وہ کس نے موسم بدل دیئے پھر
یہ کون پھر سے بہار لایا
اداس لوگو! نظر اٹھاؤ!
وہ دیکھو دیکھو وہ کون آیا

وہ جس سے لرزاں ہے ہر اندھیرا
وہ جو اُجالا ہے، روشنی ہے

خدا کے دیں کا جو پاسباں ہے
مرے وطن کی جو دلکشی ہے
نہ ہو تو بے رنگ ہے سبھی کچھ
جو ہو تو ہر سمت چاندنی ہے
جو زندہ رکھتا ہے حوصلوں کو
وہ گونج، جس کی گلی گلی ہے
وہ انقلابی صدا ہے یہ جو
ہر ایک بستی سے اُٹھ رہی ہے

وہ جس نے مُردہ دلوں کو آ کر
شعور بخشا، اُنہیں جگایا
اداس لوگو! نظر اٹھاؤ!
وہ دیکھو دیکھو وہ کون آیا

شعورِ پیرو جوان بن کر
وہ آیا حق کی اذان بن کر
نئی سحر کا نشان بن کر
وہ بے زباں کی زبان بن کر

نڈھال لوگوں کی جان بن کر
وطن کے فردا کی شان بن کر
وہ میری دھرتی کا مان بن کر
چمن چمن نگہبان بن کر
غریب کا ترجمان بن کر
ترا مرا پاسبان بن کر
ہر ایک طوفان سے لڑا جو
نہ آندھیوں میں جو ڈگمگایا
اداس لوگو! نظر اٹھاؤ!
وہ دیکھو دیکھو وہ کون آیا

وہ دیکھو! کیسا ہے آنے والا
ہر ایک سُو جگمگانے والا
پیام حق کا سنانے والا
غرورِ باطل مٹانے والا
وفا کے پرچم اُٹھانے والا
وہ سوئے طیبہ بُلانے والا

وہ آیا شمعیں جلانے والا
وہ آیا شعلے بجھانے والا
وہ آیا چاہت لُٹانے والا
وہ آیا ہمت بڑھانے والا
وہ آیا دِل میں سمانے والا
وہ آیا منزل دکھانے والا
وہ آیا گلشن کھلانے والا

یہ طاہر القادری ہے لوگو!
کہ جس سا ہم نے کہیں نہ پایا
اداس لوگو! نظر اٹھاؤ!
وہ دیکھو دیکھو وہ کون آیا

یہ التجا کا ثمر ہے طاہر
کسی دعا کا اثر ہے طاہر
یہ اک پیامِ سحر ہے طاہر
یہ روشنی کی خبر ہے طاہر

یہ دھوپ میں اک شجر ہے طاہر
تیرا مرا چارہ گر ہے طاہر
عظیم ہے، دیدہ ور ہے طاہر
اِدھر ہے طاہر اُدھر ہے طاہر
ہماری جاں ہے، جگر ہے طاہر
خدا کا بخشا گہر ہے طاہر
نبیؐ کا فیضِ نظر ہے طاہر

وہ جس نے جانا ہے اِس کو، اُس کی
نظر میں کوئی نہ پھر سمایا
اداس لوگو! نظر اٹھاؤ!
وہ دیکھو دیکھو وہ کون آیا

نڈھال لوگ بنو سمندر

مرے سلگتے وطن کے فرعون
یہ تکبّر انا کے پُتلے
یہ کیا سمجھتے ہیں
احتجاجی مظاہروں کو
یہ بکھری بکھری سی ٹولیوں کو
یہ پھیلی پھیلی سی جھولیوں کو
دکھوں سے لبریز بولیوں کو
یہ کیسے غصے میں
لال پیلے ہجوم نکلے
یہ کیسا لاوا
وطن کی سڑکوں پہ پھٹ رہا ہے
مگر نتیجہ؟
جگر تو اپنا ہی کٹ رہا ہے

یہ کس کی گاڑی
ہوئی ہے پھر آج نذرِ آتش
یہ حکمراں تو نہیں تھا لوگو!
یہ اپنے جیسا ہی آدمی تھا
کہ یہ بھی محرومِ زندگی تھا
کہاں یہ پتھر گرا ہے اب کے؟
کہاں سے چھن کی صدا یہ آئی؟
یہ شیشہ ٹوٹا ہے کس کے گھر کا
یہ کس دوکاں سے دھوں اُٹھا ہے
یہ حکمراں تو نہیں ہیں لوگو!
یہ اپنے جیسے ہی آدمی ہیں
کہ یہ بھی محرومِ روشنی ہیں
ان احتجاجی مظاہروں میں
ہم اپنے جیسوں کو
زخم دے کر، وطن کے دیوار و در جلا کر
سمجھ رہے ہیں

کہ جیسے ایواں دہل گیا ہے
نہیں نہیں، بس

یہ انتقام اور
نفرتوں کا ابلتا لاوا
یہ چند لمحے بہل گیا ہے
یہ جلتے ٹائر
وطن کی سڑکوں پہ جل رہے ہیں
یہ کیا سمجھتے ہو؟
اِن سے حاکم بدل رہے ہیں؟
یہ کیا سمجھتے ہو؟
ان سے سارے ستم کے بادل یہ ٹل رہے ہیں؟
یہ جلتے ٹائر
ہماری اپنی فضا کو مجبوس کر رہے ہیں
جنہیں دکھانا یہ چاہتے ہو
کہاں وہ محسوس کر رہے ہیں؟
وہ اور مایوس کر رہے ہیں

ان احتجاجی مظاہروں میں
جو دھاڑتے ہیں
ہم اپنے سر ہی جو پھاڑتے ہیں
غرض ہے کیا اس سے ظالموں کو
وہ کیا سمجھتے ہیں
احتجاجی مظاہروں کو
یہ اپنی نفرت سنبھال رکھو
اک ایسے دن کے لئے یہ جذبے اُجال رکھو
کہ جب یہ پتھر
جو اپنے جلیسوں پہ اٹھ رہے ہیں
بدل کے رخ اپنا ظالموں کی طرف گریں گے
تبھی غریبوں کے دن پھریں گے
یہ چھوٹی چھوٹی سی
آبِ جُو جیسی تُند نہریں
بپھرتی لہریں
چلو بنا دیں ملا کے ان کو وہ اک سمندر

بہا کے لے جائے
غرق کر دے جو ظالموں کو
بدل کے رکھ دے
جو پل میں سارے ہی منظروں کو
جو بننا چاہو
تم اپنی تقدیر کے سکندر
تو بکھرے بکھرے
نڈھال لوگو بنو سمندر
گرفت میں لے لو ساحلوں کو
ڈبو دو سارے ہی جابروں کو
وہ کیا سمجھتے ہیں
احتجاجی مظاہروں کو
یہ بکھری بکھری سی ٹولیوں کو
یہ پھیلی پھیلی سی جھولیوں کو
دکھوں سے لبریز بولیوں کو

وطن آزاد کب ہوگا

شکاری باغبانوں سے چمن آزاد کب ہوگا؟
لٹیرے حکمرانوں سے وطن آزاد کب ہوگا؟

نظر میں گھومتی ہیں بے بسی کی کتنی تصویریں
بدلتا کچھ نہیں، سنتے ہیں ہم ہر روز تقریریں
فقط تقریر سے کٹتی نہیں قدموں کی زنجیریں
کٹیں گی کب یہ زنجیریں، بدن آزاد کب ہوگا؟
لٹیرے حکمرانوں سے وطن آزاد کب ہوگا؟

یہ پھر بارود نے چھوڑا دھواں پھولوں کی گلیوں میں
یہ پھر خوشبو کا دم گھٹنے لگا ہے کھلتی کلیوں میں
نگہباں اس گلستاں کے ہیں کھوئے رنگ رلیوں میں
ہے زنداں میں بہاروں کا چلن، آزاد کب ہوگا؟
لٹیرے حکمرانوں سے وطن آزاد کب ہوگا؟

پھر آئیں گے، ستم ڈھا کر ستم گر کہتے جاتے ہیں!
یہ کیسے لوگ ہیں یا رب، ستم جو سہتے جاتے ہیں!
یہ خاموشی سے کیوں طوفان میں یوں بہتے جاتے ہیں
زباں تو ہے مگر ان کا سُخن آزاد کب ہوگا؟
لٹیرے حکمرانوں سے وطن آزاد کب ہوگا؟

بدل ڈالو خدارا خود کو، لانا ہے جو بدلاؤ
نظامِ ظلم کو اب آخری انجام دکھلاؤ
وطن اہلِ وطن سے کہہ رہا ہے، کچھ تو بتلاؤ؟
مرا کانٹوں سے اُلجھا پیرہن آزاد کب ہوگا؟
لٹیرے حکمرانوں سے وطن آزاد کب ہوگا؟

❁

کچھ لوگ بھی یاں واقفِ انکار بہت تھے
کچھ ہم بھی ترے شہر میں خود دار بہت تھے

صحرا کی کڑی دُھوپ میں چلتا رہا لیکن
ٹوٹا ہے وہاں دم جہاں اشجار بہت تھے

غم، کرب، ستم، لاکھ تھے، کس کس سے نبھاتا
میں ایک تھا اور میرے طلب گار بہت تھے

اک روز میں خوں خوار قبیلے سے جو گزرا
دیکھا تو وہاں صاحبِ دستار بہت تھے

پوچھے گا اگر کوئی کہ کیوں قافلہ بھٹکا
تاریخ بتائے گی کہ سالار بہت تھے

آزلام کے ہوتے ہوئے کیا عید مناتے
اشکوں کے منانے کو یہ تہوار بہت تھے

ٹوٹی ہوئی تنہا سی مری قبر پہ لکھ دو
دُنیا میں مرے فن کے پرستار بہت تھے۔

ہر سانس ترے پیار کی خوشبو میں بسا تھا
جھونکے بھی ترے شہر کے عطّار بہت تھے

مایوس مسافر ہی تھے انوآر وگرنہ
ساحل کے بھنور میں بھی تو آثار بہت تھے

❁

ٹھہر گیا ہے تو جب بھی نظر کے آنگن میں
غزل کے پھول کھلے ہیں ہنر کے آنگن میں

حریم دل میں اترتی ہیں یوں تری یادیں
کہ جیسے آئیں فرشتے بشر کے آنگن میں

تمہارے بعد ہوا نے بجھا کے شمعوں کو
اڑائی خاک بہت میرے گھر کے آنگن میں

خود اپنے ہاتھ سے دفنائے گا اِسے سورج
گرے گا رات کا لاشہ سحر کے آنگن میں

گلاب گرتے رہے پتھروں کے دامن پر
عذاب اترتے رہے دیدہ ور کے آنگن میں

چراغ ہوں میں، مری شام بھی تو آئے گی
دھرا ہوا ہوں ابھی دوپہر کے آنگن میں

ملے ہوئے ہیں یہ انوار آگ اور پانی
جلے ہیں خواب مری چشمِ تر کے آنگن میں

عمر ہے بہتے ہوئے پانی کے دھارے کی طرح
زندگی جامد ہے دریا کے کنارے کی طرح

کیوں پگھلتا جا رہا ہوں قطرہ قطرہ رات دن
کیا دہکتا ہے مرے اندر شرارے کی طرح

چل گیا دھوکے کا سکّہ وقت کے بازار میں
دل وفا کے تاجروں میں تھا خسارے کی طرح

تیر بن جاتی ہے زیرِ لب منافق کی ہنسی
جب گلے ملتا ہے تو لگتا ہے آرے کی طرح

اس کے ظاہر پہ نہ جائے دل کہ اس کا بھی یہاں
رنگ چاندی کا مگر فطرت ہے پارے کی طرح

اس کی باتوں پر یقیں کر کے میں پچھتایا بہت
راہزن تھا اور لگتا تھا سہارے کی طرح

یہ کریں گے وہ کریں گے سوچتے ہیں ہم مگر
دھوپ کے آنگن میں رہتے ہیں غبارے کی طرح

میں خوشی سے دشتِ ظلمت میں بھی جی لوں گا جو تم
میری آنکھوں میں رہو چمکو ستارے کی طرح

ہار کر بھی چل اُٹھا کے سر یہاں انوارؔ تو
جیت میں چلنا جھکا کے سر کو ہارے کی طرح

رتجگے

دُکھوں سے ہانپتے لمحو!
شبِ غم کے سیہ دھارو!
ذرا اک پل ٹھہر جاؤ!
بتاؤ خواب کی گلرنگ وادی کا نشاں کوئی
کہاں اُمیّد میں لپٹے ہوئے جگنو چمکتے ہیں
کہاں کلیاں چٹکتی ہیں
کہاں منظر مہکتے ہیں
وہ رستے کیسے رستے ہیں؟
جہاں سے تتلیاں خوش رنگ سپنوں کی گزرتی ہیں
وہ آنکھیں کیسی آنکھیں ہیں جہاں نیندیں اترتی ہیں
اندھیرے بانٹتی راتو

تمہاری بند مٹھی میں
کسی حرفِ تسلّی کا وہ جگنو بھی نہیں کوئی
جسے سہمی ہوئی
پلکوں کی جھالر میں چھپا لیں ہم
کبھی دیکھو تو
سناٹوں کی دیواروں کے اس جانب
وہ آنکھیں سو نہیں سکتیں
وہ پتھرائی ہوئی آنکھیں
جنہیں آکاش میں پھیلے ہوئے
لاکھوں ستاروں میں
وہ تارا ڈھونڈنا ہو جس کی پیشانی پہ قدرت نے
انہی کے خواب لکھے ہوں
وہ آنکھیں جاگتی ہیں
جن میں چبھتی اور بکھرتی کرچیوں کے زخم رہتے ہیں
انہی زخموں کے میلے میں
دُکھوں کے تیز ریلے میں

جو ٹیسیں رقص کرتی ہیں
تو سانسوں کی طنابیں ہر دھمک پہ کانپ جاتی ہیں
اگر شہرِ بدن میں
حشر سا برپا ہو چیخوں کا
تو پھر آنکھوں میں نیندیں بھی کہاں خیمے لگاتی ہیں
لہو چاٹیں گی آخر کب تلک
بے خوابیاں یونہی
شکستہ آئینوں کی یہ چبھن کب تک سہیں گے ہم
گزرتی بھاگتی اس عمر کا
کچھ فیصلہ تو ہو
یہ کیا کہ رتجگوں کی آنچ ہی میں صرف ہو جائے
بھڑک جائے بدن یا سرد ہو کے برف ہو جائے

یادوں کے ساحلوں پہ اُترا نہ کر زیادہ
جو ہو چکا ہے اس کو سوچا نہ کر زیادہ

مرہم بکف ہوا کے موسم گزر چکے ہیں
بیتے سمے کا رستہ دیکھا نہ کر زیادہ

دھیرے سے شب کو جلتی پلکوں پہ ہاتھ رکھ کے
کہتا ہے کون مجھ سے، جاگا نہ کر زیادہ

ایسا نہ ہو صدا بھی اس کی نہ سن سکوں میں
اے دکھ مری رگوں میں گونجا نہ کر زیادہ

اے شام، مسکرانا تو بھی نہ بھول جائے
میری اداسیوں سے کھیلا نہ کر زیادہ

چہروں کی بھیڑ بھی ہے تنہائیوں کا میلہ
جُھرمٹ میں کھو کے خود کو تنہا نہ کر زیادہ

آنکھیں جھکا کے اپنے اندر بھی جھانک اک دن
باہر کے آئینے ہی دیکھا نہ کر زیادہ

ہر بار گونجتی ہے اک چیخ سی رگوں میں
اے دوست حال میرا پوچھا نہ کر زیادہ

پھینکیں گی یہ ہوائیں تجھ پر ہنسی کے پتھر
انوارؔ دکھ دریچے کھولا نہ کر زیادہ

آنکھ دھوکا کا گئی رنگِ سحر کے ہاتھ سے
بجھتے دیکھے ہیں دیئے بھی دیدہ ور کے ہاتھ سے

اب ہوائیں مجھ کو جانے کس نگر لے جائیں گی
برگ کی صورت گرا ہوں اک شجر کے ہاتھ سے

لوٹ آئے اپنے شانوں پر تھکن اوڑھے ہوئے
لُٹ گئے جو راستے میں ہم سفر کے ہاتھ سے

ساحلوں کی موج میں ہم کو ڈبوتے ہیں وہی
چھین کر لاتے ہیں ہم جن کو بھنور کے ہاتھ سے

بے بسی، بے چارگی، آشفتگی، درماندگی
کیسے کیسے گل کھلے ہیں چارہ گر کے ہاتھ سے

گرتے گرتے یوں سنبھل جانا بتا کیسا لگا؟
زندگی کی راہ میں اِک دربدر کے ہاتھ سے

درد کی یہ سنگتیں انوارؔ گہری ہیں بہت
دستِ دل نکلا نہیں زخمِ جگر کے ہاتھ سے

نوائے عوام

عبرت کا ہم نے خود ہی کو ساماں بنا دیا
پوچا وہ رہبروں کو کہ شیطاں بنا دیا

اندھی سیاستوں نے مفادات کے لئے
ہر شہرِ روشنی کو شبستاں بنا دیا

اپنا بھرے گا پیٹ کہ ان کو کھلائے گا
بھوکوں نے سب سے بھوکے کو سلطاں بنا دیا

جیون کے روگ کا وہ مداوا کرے گا کیا؟
دردوں کا جس نے موت کو درماں بنا دیا

خودسوزیاں ہوں یا کسی دریا میں خودکشی
محرومیوں نے موت کو آساں بنا دیا!

خود کو سنبھالنے سے نہ فرصت ملے جنہیں
کیسے انہیں وطن کا نگہباں بنا دیا

دیوار و در سے جن کے چھلکتی ہے بوئے خوں
ہم نے اُنہی کو رونقِ ایواں بنا دیا

ہم نے چمن کا تم کو بنایا تھا باغباں!
تم نے گلوں کو شعلۂ رقصاں بنا دیا

کر کے توقّعات، امیدوں کا قتلِ عام
ہر دِل کو تم نے شہرِ خموشاں بنا دیا

جاری ہے دیکھ فیضِ مساواتِ حکمراں
جنگل کو اور شہر کو یکساں بنا دیا

نوائے حکمراں

حدِّ ادب، کہ ظِلِّ الٰہی ہیں ہم یہاں
کیا ہے؟ جو اُس نے عقل کا حیواں بنا دیا

مشکل پڑے تو آتی ہے یادِ خدا بہت
غافل ہیں ہم، تمہیں تو مسلماں بنا دیا

زندہ ہے ملک اتنی کرپشن کے باوجود
مضبوط رب کی ذات پہ ایماں بنا دیا

قبریں سہی مگر ہے تمہیں مالکانہ حق
تاحشر ہم نے رہنے کا ساماں بنا دیا

بیچا جو مُلک کیا ہوا؟ اک مُلک ہی تو تھا
تم نے ذرا سی بات کو طوفاں بنا دیا

بجلی، نہ گیس، پانی، نہ روٹی، نہ روزگار
دھرتی کو ہم نے چاند کا میداں بنا دیا

سیکھو گے کب خوشامدی لہجوں سے تم ادب؟
بک بک سنی تو اس کو بھی فرماں بنا دیا

محنت کشو! جلاؤ لہو جب تلک جلے
تم نے تو ہم کو رشکِ بہاراں بنا دیا

ہاں رائیگاں نہیں ہے شہیدوں کا خون بھی
جس نے ہماری عیش کا ساماں بنا دیا

ہوش کر

مُلک بیچا جا چکا ہے، ہوش کر
سب ڈبویا جا چکا ہے، ہوش کر

قد برابر قبر کرنے کے لئے
تجھ کو ناپا جا چکا ہے، ہوش کر

ختم کردے جو ترا نام و نشاں
سب وہ سوچا جا چکا ہے، ہوش کر

چھوڑ دے ان رہبروں کی رہبری
رُخ ہی بدلا جاچکا ہے، ہوش کر

گھر میں تیرے آچکا دشمن ترا
تجھ کو گھیرا جا چکا ہے، ہوش کر

لوریاں تجھ کو سُنا کر جھوٹ کی
پھر سلایا جا چکا ہے، ہوش کر

دھوپ آ پہنچی ہے اب سر پر ترے
دور سایا جا چکا ہے، ہوش کر

چھوڑ کر آدھے ہی رستے میں تجھے
ظلم ڈھایا جا چکا ہے، ہوش کر

کھول آنکھیں، دیکھ یہ ویرانیاں
باغ اُجاڑا جا چکا ہے، ہوش کر

پھیلتی جاتی ہیں ہر سو زردیاں
خوں نچوڑا جا چکا ہے، ہوش کر

کیا منظر ہے، ہائے

سائیکل چور گھسیٹ کے چوک کے اندر مارا جائے
جو لُوٹے اِس قوم کی دولت وہ لیڈر کہلائے

شرم نہ ہم کو آئے
کیا منظر ہے، ہائے

چھوٹا جرم کرے تو اُسکی نسلیں بھی دُکھ جھیلیں
ڈھول اڑائے ذلت اُس کی، کُھل جائیں جیلیں
زور آور قانون سے جتنا کھیل سکیں وہ کھیلیں
جرم کریں یا ظلم کمائیں، کچھ نہ اُن کا جائے
شرم نہ ہم کو آئے
کیا منظر ہے، ہائے

اسلامی، جمہوری مُلک، مگر معیار جُدا
جُوتی چور پہ جوتے برسیں، دے قانون سزا
کوئی اربوں لُوٹ کے رکھے حق استثناء
جو اعلیٰ ہے، حق ہے اس کا نوچ وطن کو کھائے

شرم نہ ہم کو آئے
کیا منظر ہے، ہائے

"چل اوہ تھانے" مفلس کو یہ دھاڑ سنائی دے
نوٹوں کے لشکارے میں کب جرم دکھائی دے
سر پیٹے انصاف یہاں، خود عدل دہائی دے
طاقت والا ظالم ہو کر بھی "صاحب" کہلائے

شرم نہ ہم کو آئے
کیا منظر ہے، ہائے

ایک سی نسلیں، ایک سے سانسوں کے ہیں سب مرہون
کیوں چلتے ہیں اِس دھرتی پر پھر دو دو قانون
حاکم خود ہی عدل پہ ماریں روز جہاں شب خون
لاقانونیت سے پھر اس ملک کو کون بچائے

شرم نہ ہم کو آئے
کیا منظر ہے، ہائے

Democracy is the best Revenge

چھین لیتی ہے نوالے چیخ اُٹھتی ہے عوام
سچ کہا جمہوریت اک بہتریں ہے انتقام

کس کے سائے میں سلامی لی ہے آمر نے یہاں
کب اڑائی ہیں کسی جابر کی اس نے دھجیاں
اس کے ہونٹوں پر بھی رقصاں ہیں لہو کی سرخیاں
بٹ رہی ہے اس کے ہاتھوں، تلخیاں، بس تلخیاں
ووٹ کے بدلے کرے مفلس کا یہ قصہ تمام
سچ کہا جمہوریت اک بہتریں ہے انتقام

انتقام اس نے کہاں جاگیرداروں سے لیا
آمریت سے نہ ان سرمایہ داروں سے لیا
ظلم سے، کب جبر سے، کب دُکھ کے دھاروں سے لیا
جب لیا اس دیس کے قسمت کے ماروں سے لیا
زہر بانٹے اُن میں جن کے خون کے پیتی ہے جام
سچ کہا جمہوریت اک بہتریں ہے انتقام

آمریت زخم دیتی ہے تو یہ چھڑکے نمک
جسم چیرے وہ تو اُترے روح تک اسکی کسک
دھمکیاں اِک سی، دھماکے ایک سے، اِک سی دھمک
شہ رگیں ڈھیلی کرے گر، وہ تو یہ جائے لپک
وہ اگر سمٹے تو کر دے یہ بھی اپنا فیض عام
سچ کہا جمہوریت اک بہتریں ہے انتقام

نوچ لو خوابوں کو، خوابوں کی قبائیں نوچ لو
زندگی سے سانس لینے کی ادائیں نوچ لو
ہچکیاں بٹتے لبوں سے سب صدائیں نوچ لو
اس وطن کے سر سے عزت کی ردائیں نوچ لو
روشنی اِسکی نچوڑو، دو اِسے ظلمت کی شام
سچ کہا جمہوریت اِک بہتریں ہے انتقام

صرف وعدوں ہی سے ان لوگوں کو بہلاتے رہو
ہم مسیحا ہیں یہ تقریروں میں سمجھاتے رہو
خواب بیچو اور ''گا'' ''گی'' ''گے'' سے بہلاتے رہو
جتنا چاہو اِن کو استعمال فرماتے رہو
شاہ ابن شاہ تم اور یہ غلام ابنِ غلام
سچ کہا جمہوریت اِک بہتریں ہے انتقام

یہ نہیں جمہوریت یہ اک سڑا مردار ہے
روح اس کی مار کر کہتے ہو یہ غم خوار ہے
رنگ اس کے چھین کر کہتے ہو یہ گلزار ہے
ہاتھ اس کا کاٹ کر کہتے ہو یہ معمار ہے
پھر بھلا کیسے بدل سکتا ہے دھرتی کا نظام
سچ کہا جمہوریت اک بہتریں ہے انتقام

دنیا والو!

حقیقتوں سے نظر چرانا، یہ ہم سے سیکھو
کہ آزماؤں کو آزمانا یہ ہم سے سیکھو

اناج پر بندروں کو رکھوالیوں پہ رکھنا
گدھوں کو بھی راہبر بنانا، یہ ہم سے سیکھو

وہ جن کے ہاتھوں سے سہالہا سال زخم کھائیں
اُنہیں الیکشن میں پھر جتانا، یہ ہم سے سیکھو

وہ خواہشوں سے لہو کا رِسنا قدم قدم پر
یہ دُکھ اُٹھانا، یہ بھول جانا، یہ ہم سے سیکھو

وہ جو گراتے ہیں منہ کے بل ہم کو دے کے دھوکہ
اُنہی کے جھنڈوں کو پھر اُٹھانا، یہ ہم سے سیکھو

وطن کو یوں چند خاندانوں کو سونپ دینا
اور اپنے آنگن میں بھوک اُگانا، یہ ہم سے سیکھو

نکلنا تقدیر کو بدلنے کا عزم کرکے
پھر آدھے رستے سے لوٹ آنا، یہ ہم سے سیکھو

وہ اپنی دھرتی کے محسنوں کو ذلیل کرنا
ذلیل لوگوں کو سر چڑھانا، یہ ہم سے سیکھو

یہ کیسے بُنتے ہیں جال گھمبیر سازشوں کے
یہ کیسے بُنتے ہیں تانا بانا، یہ ہم سے سیکھو

بس اپنے آنگن کے زندہ رکھنے کو سب اُجالے
یہ دوسروں کے دیئے بجھانا، یہ ہم سے سیکھو

عزیز رکھنا مفاد اپنا اور اس کی خاطر
وطن کی عزت سے کھیل جانا، یہ ہم سے سیکھو

سنا ہے دیتی ہے روشنی بھی فریب لیکن
یہ ظلمتوں سے فریب کھانا، یہ ہم سے سیکھو

جو اک گڑھے سے نکل بھی آئیں تو دوسرے میں
یہ کود مرنا، یہ ڈوب جانا، یہ ہم سے سیکھو

یہ اپنے ووٹوں سے مرتے ظالم کو زندہ کرنا
یہ گالیاں دے کے گیت گانا، یہ ہم سے سیکھو

لٹکتی تلوار کے تلے قہقہے لگانا
ہنسی میں خطرات سب اڑانا، یہ ہم سے سیکھو

سفر ہے اب بھی ہمارا بے سمت راستوں پر
سفر میں منزل کو بھول جانا، یہ ہم سے سیکھو

رکھوں میں نوک پر جوتے کی یہ فرعونیت ساری
یہ سرداروں کی سرداری یہ زرداروں کی زرداری

وطن کا خون پی کر جو نکھرتے ہیں، سنورتے ہیں
نبھا سکتی نہیں ہیں غیرتیں اُن سے وفاداری

نہیں اک شہر بھی شہرِ اماں اس دیس میں لوگو!
کہیں مرنے میں آسانی، کہیں جینے میں دشواری

گلستاں کو لہو سے اپنے جب بھی سینچتے ہیں ہم
کہاں سے اُڑ کے آجاتی ہے پھولوں میں یہ چنگاری

بظاہر جنگ لگتی ہے مگر اندر سے سمجھوتے
خدارا اب تو سمجھو اِس سیاست کی اداکاری

چلو اس بار دیتا ہوں سہارا تیری کشتی کو
مگر یہ یاد رکھ لینا، کہ اگلی ہے مری باری..

امیر شہر کے جلتے درو دیوار، بول اُٹھے
بڑھے حد سے تو بن جاتی ہے قاتل بھی یہ لاچاری

نہیں سوزِ دروں، فکرِ رسا گفتارِ حاکم میں
کرے تقریر تو چھلکے عداوت ہی کی پچکاری

بہت سفاک قاتل بھی ہمیں ہمدرد لگتے ہیں
بصارت لُٹ گئی اپنی کہ اُن کی ہے یہ فنکاری

یہ اپنے اپنے حصے کی مصیبت ہے چلو بھگتیں
ترے رہبر کی عیاری، مرے رہبر کے درباری

ضروری ہے کہ جینے کو شعورِ زندگی بھی ہو
فقط آنکھوں کے کھلنے سے نہیں ملتی ہے بیداری

نہ جانے کتنی چیخوں، کتنی ٹیسوں سے الجھتا ہوں
گزرتی ہے بھرے بازار سے جب میری ناداری

کیوں چیختی ہیں روز یہ بے نور بستیاں
اِن کی زبان کھینچ لے، طوفاں گزار دے!

اک بار ہی میں قصہ یہ سب کا تمام کر
قسطوں میں مت یہ موت انہیں بار بار دے

خوشحالیوں کے کھوکھلے نعروں سے باندھ کر
اپنے محل کی بجلی کے جھٹکے سے مار دے

جمہوریت کے کالے کفن میں لپیٹ کر
محرومیوں کی قبر میں بھوکے اُتار دے

صدائے شہیداں

دیکھ کر حالت یہ اپنے دیس کی
سوچتے تو ہوں گے جنت میں شہید
جس کو سینچا تھا مقدس خون سے
اُس چمن پر کیوں مسلّط ہیں پلید

کس لئے ہم نے بچایا تھا وطن
کیا فقط جاگیرداروں کے لئے؟
کس لئے سینوں پہ کھائیں گولیاں
کیا فقط سرمایہ داروں کے لئے؟

اپنی نسلیں پالنے کے واسطے
ملک سارا لُوٹ کر یہ کھا گئے
جاں فدا کرکے وطن کی آن پر
اپنے بچے چھوڑ کر ہم آگئے

یاد ہیں سینے وہ چھلنی آج تک
سسکیاں بُنتی ہوئی وہ چاہتیں
بھیگی بھیگی ماں کی پلکیں یاد ہیں
چھوڑ کر نکلے تھے گھر کی راحتیں

وقت رخصت چومنا ماتھا تو پھر
پُوچھنا گڑیا کا، پھر کب آؤ گے؟
اب کے پاپا لوٹ آنا جلد ہی
میرے کپڑے چوڑیاں بھی لاؤ گے

وہ دعا دیتی رفیقِ زندگی
آنسوؤں میں بھیگا آنچل یاد ہے
گھُل کے اشکوں میں ٹپکتا آنکھ سے
الوداع کہتا وہ کاجل یاد ہے

آبروئے قوم کی خاطر کٹے
بٹ رہی ہیں ذلّتیں پھر بھی یہاں
جان دی سب کے تحفّظ کے لئے
کٹ رہی ہیں شہ رگیں پھر بھی یہاں

جنتوں کے روزنوں سے جھانک کر
دیکھتے ہیں بے بسی مزدور کی
ہم کو چین آتا نہیں یہ دیکھ کر
جل رہی ہے زندگی مجبور کی

خارجی دُشمن ہمیں درپیش تھے
اب کئی دشمن تمہیں درپیش ہیں
رہبروں کے روپ میں نکلے ہوئے
کس قدر رہزن تمہیں درپیش ہیں

چند مٹھی بھر ہوں ڈوبے عیش میں
زہر ڈھونڈیں لوگ مرنے کے لئے
کیوں نہیں ٹکرا رہے تم جبر سے
کیا فقط زندہ ہو ڈرنے کے لئے؟

عزتیں لے کر وطن سے، دے جو دکھ
سر زمینِ پاک کا غدار ہے
بیڑیاں یہ کاٹنے کو ظلم کی
ہم سا جذبہ اب تمہیں درکار ہے

رائیگاں جانے نہ دو قربانیاں
کہہ رہا ہے خوں ہمارا آج بھی
قوم کی سوئی ہوئی تقدیر کا
ہاں چمک سکتا ہے تارا آج بھی

آج بھی نکلو بغاوت کو اگر
یہ نظامِ ظلم رہ سکتا نہیں
مصر کی مانند، تیونس کی طرح
عزم کی یلغار سہہ سکتا نہیں

تم سے ہوتے نہیں مسیحا وہ

سوٹ، ٹائی، پروٹوکول، عہدے
تم سمجھتے ہو ہم معزّز ہیں!
کاش ادراک یہ تمہیں ہوتا
تم وہ لعنت کا طوق ہو چورو!
جو پڑا ہے گلے میں لوگوں کے
لمحے لمحے کا تازیانہ ہو!
قوم کی بے حسی کا حاصل ہو
بے ضمیری کا شاخسانہ ہو

تم سے ہوتے نہیں مسیحا وہ
دلدلوں سے نکالنے والے
لڑ کھڑاتی ہوئی امیدوں کو
آگے بڑھ کر سنبھالنے والے

جیسے انداز یہ تمہارے ہیں
ان کے اطوار یہ نہیں ہوتے
وہ تو بجھتے دیے جلاتے ہیں
جب بگڑتی ہیں خود یہاں قومیں
تم سے منحوس، بھیجے جاتے ہیں

جب تلک قوم خود نہیں بدلے
بھیجے جاتے رہیں گے تم جیسے
اک ڈراؤنے سے خواب کی صورت
جسم کے پیچ و تاب کی صورت
روح کے اضطراب کی صورت
ایک حالِ خراب کی صورت
گمرہوں پر عتاب کی صورت
بے عمل پر عذاب کی صورت
دشت کے اک سراب کی صورت
آسماں سے شہاب کی صورت

وقت تو ایک سا نہیں رہتا
جبر کوئی نہیں سدا سہتا
بس ذرا سا شعور آنے دو
اس کی آنکھوں میں نور آنے دو
اپنے دامن سے قوم کو اک دن
بزدلی کا یہ داغ دھونا ہے
اپنی اپنی ہوس کے دریا میں
ایک دن تم کو غرق ہونا ہے

ہم بھی دیکھیں گے تم بھی دیکھو گے
جب سمے کی یہ دھار بدلے گی
بے حسی کی جو برف پگھلے گی
سر سے جب باندھ کر کفن وحشت
ہر نگر ہر گلی سے نکلے گی
پھر ٹھکانا کہیں نہ پاؤ گے
بھوک سڑکوں پہ تم کو روندے گی

دفن ہونا ہے ظلم کو اِک دن
تم کو اک روز ہارنا ہو گا
چھوڑنا ہو گا تختِ شاہی کو
تاج سر سے اُتارتا ہو گا
قوم کا اضطراب جیتے گا
درد کا پیچ و تاب جیتے گا
جس کی خاطر وطن تڑپتا ہے
جیت وہ انقلاب جیتے گا

تری جمہوریت کی ایسی تیسی

جو مفلس کو غذا بھی دے نہ پائے
جو مرضوں کی دوا بھی دے نہ پائے
جو پیاسوں کو گھٹا بھی دے نہ پائے
کسی سر پر رداء بھی دے نہ پائے
گلے میں یہ بلا ڈالی ہے کیسی؟
تری جمہوریت کی ایسی تیسی

جو تم کو تو بچالے، ہم کو مارے
تمہیں جو پھول دے، ہم کو شرارے
دکھائے دن میں بھی ہم کو جو تارے
وہ جس میں تم ہی جیتو، قوم ہارے
ہمارے زخم، تیری ڈھال جیسی
تری جمہوریت کی ایسی تیسی

یہ دھوکے باز، یہ چوروں کی رانی
لگے یہ آمریّت کی بھی نانی!
مرے گھر گیس ہے، بجلی، نہ پانی
سہی جائے نہ اب اِس کی گرانی

نہ کر اب بات کوئی ایسی ویسی
تری جمہوریت کی ایسی تیسی

یہ وزیروں کی فوج کیا کہنے

ذلتوں کا یہ اَوج کیا کہنے
ایک طبقے کی موج کیا کہنے
یہ وزیروں کی فوج کیا کہنے
آہ بھر کر یہ جیب بھرتے ہیں
قوم کے غم میں عیش کرتے ہیں

ایک دوجے پہ دھاڑنے والے
جڑ سے نسلیں اکھاڑنے والے
کھا کے فصلیں اجاڑنے والے
لاکھ ٹالو، کہاں یہ ٹلتے ہیں
ٹیکس پر جانور یہ پلتے ہیں

کب یہ ڈھلتا ہے حرص کا جوبن
سن کے سکوں کے چھن چھنا چھن چھن
ناچتے ہیں یہ دھن دھنا دھن دھن
بک کے زر کے نوید لیتے ہیں
اِن کو ڈالر خرید لیتے ہیں

ہم میں رہ کر جدا ہے یہ ٹولہ
کس نگر کی بلا ہے یہ ٹولہ
کس عمل کی سزا ہے یہ ٹولہ
ہیں یہ مامور بڑ بڑانے پر
بوجھ ہیں قوم کے خزانے پر

یہ ثمر بار اور خزاں ہیں ہم
اِک لُٹے گھر کی داستاں ہیں ہم
ان کی جانے بلا کہاں ہیں ہم
ہم جو زندہ گڑے ہیں قبروں میں
یہ نظر آئیں صرف خبروں میں

یہ اسمبلی، یہ ان کی للکاریں
ان کی ایک دوسرے پہ یلغاریں
گالیاں دے کے کرسیاں ماریں
اک جہالت کا کوہ لگتے ہیں
پاگلوں کا گروہ لگتے ہیں

قوم کے کرب سے جو کترائیں
نت نئے مسئلوں میں الجھائیں
اُن پہ گھنٹوں بیان فرمائیں
یہ تماشا بھی ہیں مداری بھی
راہبر بھی ہیں شرمساری بھی

حکمراں کا دفاع کام اِن کا
بس اِسی سے چلے نظام اِن کا
کیجئے بڑھ کے احترام اِن کا
یہ معزّز وزیر ہیں لوگو!
کیا ہے گر بے ضمیر ہیں لوگو!

چائنہ اور پاکستان

ایک ہی ساتھ بنے تھے دونوں
ایک ہی ساتھ بنے قانون
چائنہ ایک سپر پاور ہے
ہم باتوں کے افلاطون!
قریہ قریہ، بستی بستی
اب بھی غربت کا طاعون
چائنہ امن کا گہوارہ ہے
اپنی دھرتی خون و خون
وہ رہبر، ایثار کے پیکر
اپنے حصے یہ قارون
ظاہر اُجلے باطن کالے
جسم دسمبر سوچیں جُون
اُن میں مِلّی وحدت، ہم میں
پی پی ف اور قاف اور نون
چائنہ تم نے لیڈر دیکھے
ہم نے بُھگتے کارٹون

کہاں کا جشنِ آزادی

چھٹے بنئے سے، گورے سے، پھنسے جاگیرداروں میں
بٹے مالِ غنیمت کی طرح، سرمایہ داروں میں
کروڑوں کی غلامی سے ہے رونق کچھ ہزاروں
اٹھو کہ زلزلہ کردیں بپا ان تاجداروں میں
کہاں پائی ہے آزادی، یہی تو ایک رونا ہے
وطن تو مل گیا لیکن ابھی آزاد ہونا ہے

جہاں ملتا نہ ہو جینے کو کوئی حق بھی بنیادی!
جہاں آقاؤں کے پیچھے پھریں ذلت میں فریادی
جہاں تحقیر ہو انساں کی اور نسلوں کی بربادی!
وہاں کس چیز کا دعویٰ، کہاں کا جشنِ آزادی؟
غلامی کا ابھی دامن سے ہم نے داغ دھونا ہے
وطن تو مل گیا لیکن، ابھی آزاد ہونا ہے

سیاست میں جہاں طاغوت بچے جنتا رہتا ہے
نظامِ زر کا کالا خوں رگوں میں جن کی بہتا ہے
جگر کٹتا ہے دھرتی کا، وطن یہ دکھ جو سہتا ہے
گزرنے والا ہر لمحہ، سُنو لوگو! یہ کہتا ہے
اکھاڑو جڑ سے باطل کو نیا اک عہد بونا ہے
وطن تو مل گیا لیکن، ابھی آزاد ہونا ہے

یہ سب کچلے ہوئے، روندے ہوئے جب ہم قدم ہوں گے
دھمک سے ان کی لرزاں صاحبِ جاہ و چشم ہوں گے
کہ جب یہ لوگ سکوں کی چھنک سے، محترم ہوں گے
کٹیں گی جب یہ زنجیریں تبھی آزاد ہم ہوں گے
ابھی تو دُکھ کے چُنگل میں، وطن کا کونا کونا ہے
وطن تو مل گیا لیکن ابھی آزاد ہونا ہے

وہ ملا تو اس کی صداؤں میں، وہی چُپ کا زہر گھلا ہوا
وہی لہجہ اب بھی تھکا تھکا وہی لفظ لفظ بجھا ہوا

ہے ہوائے زرد کے ہاتھ میں گلِ سرخ زلفِ سیاہ کا
اسے کیا غرض اسے دیکھ کر جو کسی کا زخم ہرا ہوا

میرا تار تار یہ پیرہن تو لہو لہو یہ تمہارا تن
میں تو دوستوں میں گھرا تھا پر، میرے دشمنو تمہیں کیا ہوا

جسے چھو کے کھو گئیں رتجگوں کے بھنور میں نیند کی تتلیاں
وہی خواب بن کے نگاہ میں ہے صلیب اب بھی گڑا ہوا

کبھی دیکھ روح کی آنکھ سے یہ اُجاڑ اُجاڑ سی تربتیں
سرِ خاک دیپ بجھے ہوئے، تہہِ خاک شہر بسا ہوا

وہ جو لوگ لگتے ہیں اور سے کبھی دیکھنا انہیں غور سے
کوئی ظلمتوں سے اٹا ہوا، کوئی روشنی کا ڈسا ہوا

مہ و سال کی کئی گردشیں نہ مٹا سکیں تیرے عکس کو
تجھے کیا خبر تیری یاد کا ہے چراغ اب بھی جلا ہوا

إن اُبھرتی ہوئی لہروں کا شناور ہو جا
چھوڑ ساحل کی طلب اور سمندر ہو جا

سو گیا شہر، بجھیں سینۂ شب کی شمعیں
چہرۂ یاد کی لو! اَب تو اُجاگر ہو جا

بات کر، اور کفِ شام پہ جگنو رکھ دے
مسکرا اور مری صبح کا منظر ہو جا

روح میں میری اُتار اپنی وفا کے لشکر
اور دنیائے محبت کا سکندر ہو جا

پھیل کر مجھ کو مری ذات سے بڑھ کر نہ دکھا
اے مرے سائے مرے قد کے برابر ہو جا

اُس کی خوشبو سے لپٹ آئے ہیں جذبے میرے
اے ہوا چھو کے مجھے تو بھی معطر ہو جا

اس کی آنکھوں کے تکلّم پہ بلاغت قرباں
اس کی آنکھوں میں اُتر اور سخنور ہو جا

اے دلِ زار کہاں کس نے تجھے لوٹا ہے
بھول جا سارے ستم اور قلندر ہو جا

اب کے جنگل کا سفر کیسے کٹے گا تنہا
اے رُخِ یار کی ضَو، تو مری رہبر ہو جا

آئینہ بن کے بکھر جائے گا انوارؔ اک دن
سنگ زادوں میں جو رہنا ہے تو پتھر ہو جا

❁

زندگی یوں مہرباں ہے آج کل
سانس لینا بھی گراں ہے آج کل

رہگزارِ دیدہ و دل پر رواں
وحشتوں کا کارواں ہے آج کل

قسمتِ جاں، روشنی کے شہر میں
بجھتی شمعوں کا دھواں ہے آج کل

گھر کے گم سُم سے در و دیوار پر
اک اداسی حکمراں ہے آج کل

کر گئے الفاظ جیسے، خودکشی
اشک ہی اک ترجماں ہے آج کل

سوچنا بھیگی ہوئی ہیں کیوں رُتیں
کون مصروفِ فغاں ہے آج کل

جُھومتی تھی جس نگر خوش بو کبھی
اب وہیں رقصِ خزاں ہے آج کل

بے اثر ہے مسکراہٹ کا فریب
حال چہرے سے عیاں ہے آج کل

جل گئے سائے بھرے اشجار کے
دھوپ سر کا سائباں ہے آج کل

مر گئیں فردا کی ساری آہٹیں
شورِ یادِ رفتگاں ہے آج کل

جن کے ہاتھوں میں تھے گلدستے کبھی
اُن کے ہاتھوں میں کماں ہے آج کل

کارواں لپٹا ہے گردِ راہ میں
اور منزل بے نشاں ہے آج کل

فاصلے صدیوں کے حائل ہوگئے
ہم زمیں وہ آسماں ہے آج کل

ہم نے بھی اب دل پہ پتھر رکھ لیا
خوش رہے وہ بھی جہاں ہے آج کل

گر کبھی فرصت ملے تو سوچنا
وہ ترا شاعر کہاں ہے آج کل

وہ جو تھی انوارؔ رازِ دل کبھی
شہر بھر کی داستاں ہے آج کل

❁

وہم ہے کہ تُو، یہ بتلائے کوئی
آنکھ میں سایا سا لہرائے کوئی

دیکھ ڈالے خواب سارے، اب مجھے
ان کھلونوں سے نہ بہلائے کوئی!

اتنی شدت سے نہ یاد آئے ہمیں
رُوٹھنے والے کو سمجھائے کوئی

تو نہیں تو کیا کروں بینائیاں
اب مری آنکھیں بھی لے جائے کوئی

زندگی ہم سے ملی یوں جس طرح
آئینے سے سنگ ٹکرائے کوئی

موت برحق ہے مگر میرے خدا!
یوں ہی جیتے جی نہ مر جائے کوئی

کہہ رہی ہیں ظلمتوں کی سازشیں
روشنی کے گیت مت گائے کوئی

سُن یہ مُرجھائے ہوئے گُل کی صدا
اپنی صورت پر نہ اِترائے کوئی

لُٹ کے راہوں میں بھی کوئی خوش رہے
منزلوں پہ آکے پچھتائے کوئی

سن ذرا اے انقلاب

دم ترا بھرتے ہیں زد میں تیری آنے والے
یہ نہیں جانتے تجھ کو، تجھے لانے والے
اے ہر اک جبر کو ٹھوکر سے گرانے والے
تجھ سے ڈرتے بھی ہیں سب لوٹ کے کھانے والے

بس مفادات، عزائم کی حفاظت کے لئے
نام رہبر تیرا لیتے ہیں تجارت کے لئے

ہر کوئی نام ترا لے کے نکل آتا ہے!
نت نئے نعروں کا انبار اُٹھا لاتا ہے
سب کی دہلیز پہ آہٹ تیری سُنواتا ہے
جیت کے پھر نہیں معلوم کہاں جاتا ہے

پھر یہ رہزن ہمیں دلدل میں گرا دیتے ہیں
تیرے نعرے انہیں خوشحال بنا دیتے ہیں

تُو تو تیار ہے اس ملک میں آنے کے لئے
ہر ستمگر سے ہمیں آ کے بچانے کے لئے!
کب سے خوابیدہ مقدر کو جگانے کیلئے
ہم ہی تیار نہیں پاؤں اُٹھانے کے لئے

ہم ہی بد بخت ہیں جو جاگ کے بھی خواب میں ہیں
اپنی مرضی سے گھرے وقت کے گرداب میں ہیں

ہم ہی بزدل ہیں نہ نسلوں نہ وطن کا سوچیں
ہم لرز جاتے ہیں جب دار ورسن کا سوچیں
جب بھی سوچیں تو اسی طرزِ کہن کا سوچیں
دل ہیں جنگل میں مگن کیسے چمن کا سوچیں

اپنے جیسوں کے یہی حال ہوا کرتے ہیں
کیا یہ کم ہے؟ تیرے آنے کی دعا کرتے ہیں

ہم تھکے لوگ، کہاں ہم سے مشقت ہو گی
منتظر رہنے سے خود تم کو اذیّت ہو گی
معاف کرنا تجھے بس تھوڑی سی زحمت ہو گی
چل کے آجاؤ اگر خود تو عنایت ہو گی

جبر برسوں کا بھی سہہ، جانے میں معروف ہیں ہم
اپنے دھندوں میں بہت ویسے بھی مصروف ہیں ہم

جوابِ انقلاب

ووٹ کی ضرب کروڑوں تو، لگا لیتے ہیں
اور بھی وقت کو آزار بنا لیتے ہیں
مجھ سے جو لوگ بغاوت کی ادا لیتے ہیں
منزلیں بڑھ کے وہ قدموں پہ جھکا لیتے ہیں

انتخابی یہ نظام آج ہی غارت کردو
مجھ کو لانا ہے تو اعلانِ بغاوت کردو

صدقِ دل سے جو بلائیں تو چلا آتا ہوں
ظلم کی چھائیں گھٹائیں تو چلا آتا ہوں
تفرقے لوگ مٹائیں تو چلا آتا ہوں
حق کو آواز بنائیں تو چلا آتا ہوں

میں کہاں دور ہوں تم ہی نہیں ملنے والے
چاک صدیوں کے کہاں ایسے ہیں سلنے والے

مجھ کو مایوس، تھکے ہارے نہیں لاسکتے
خواب دیکھیں بھی تو تعبیر نہیں پاسکتے
جو یہاں ظلم سے اُٹھ کر نہیں ٹکرا سکتے
وہ جگر ظلمتِ شب کا نہیں دہلا سکتے

تم نکل آؤ اگر شاکر و صابر سارے
چیر کے رکھ دوں گا جھٹکے میں یہ جابر سارے

میرا قائد سلامت رہے

میرا قائد سلامت رہے
ہے مری زندگی، طاہر القادری، یُوں ہی قائم یہ سنگت رہے
میرا قائد سلامت رہے

مُجھ کو دُنیا میں کیسا سہارا ملا
میری تاریکیوں کو ستارا ملا
اب دُعا ہے یہی، التجاء ہے یہی، اس سے منسوب قسمت رہے
میرا قائد سلامت رہے

جس نے مظلوم کو پھر نوا بخش دی!
جس نے جینے کی پھر سے ادا بخش دی
اس کی آواز کے، عشق کے ساز کے، پھُول چُنتی سماعت رہے
میرا قائد سلامت رہے

ذات اس کی ہے اک گوہرِ ضوفشاں
علم کی وسعتیں کیا کروں میں بیاں
سر پہ سایہ کناں، ہر قدم مہرباں، میرے آقا کی رحمت رہے
میرا قائد سلامت رہے

جس کی تحریک اک شمعِ ایمان ہے
جس کا منہاج، منہاجِ قرآن ہے
جس کا فکرِ رسا، بانٹتا ہے ضیا، فیض یہ تاقیامت رہے
میرا قائد سلامت رہے

اے مرے مہرباں، عظمتوں کے نشاں

اے مرے مہرباں، عظمتوں کے نشاں
طاہر القادری طاہر القادری
دور تم سے رہیں غم کی پرچھائیاں
طاہر القادری طاہر القادری

ظلمتوں کے افق کی تو تنویر ہے
تو بلاشبہ حیدر کی شمشیر ہے
نام تیرا رہے زندہ و جاوداں
طاہر القادری طاہر القادری

عزم و ہمت کے پیکر تری خیر ہو
میری قسمت کے اختر تری خیر ہو
تیری شعلہ نوائی پہ قربان جاں
طاہر القادری طاہر القادری

تجھ پہ سایہ فگن ہوں سدا مصطفیٰؐ
سر پہ چھائی رہے رحمتوں کی رداء
یونہی مہکار ہے یہ ترا گلستاں
طاہر القادری طاہر القادری

میرے اللہ چھوٹے نہ یہ آستاں
ورنہ سمجھوں گا ہے زندگی رائیگاں
نام جپتی رہے دھڑکنوں کی زباں
طاہر القادری طاہر القادری

غم نہ کر امتِ شافعِ دو جہاں
عظمتوں میں ڈھلیں گی تری پستیاں
آ گیا آ گیا اب ترا پاسباں
طاہر القادری طاہر القادری

بٹ رہی ہیں چمن در چمن نکہتیں
بس اسی دم قدم سے ہیں سب رونقیں
مل گیا ہم کو انوارؔ اب سائباں
طاہر القادری طاہر القادری

چیختے ہیں ہم مگر
حکمراں ہیں بے خبر
ہر ندا ہے بے اثر
ہر نوا ہے بے ثمر
تجھ سے گر کہیں نہ ہم
کہیں یہ کس سے ماجرا

سُن عوام کی صدا
چیف ظلم سے بچا!

جڑ ہے ہر فساد کی
نظام انتخاب کا
چیل کو اڑان دے
پر کٹے عقاب کا
اس نظام کو بدل
کر سحر کی ابتداء

سُن عوام کی صدا
چیف ظلم سے بچا!

عدل کے قلم کی نوک
تیر ہے، کٹار بھی
تیر کو تو تیرگی کے
دل میں اب اُتار بھی
کر بھلا غریب کا
لے غریب کی دُعا
سُن عوام کی صدا
چیف ظلم سے بچا!

کیا عجب نصیب ہیں
جیت بھی ہے مات بھی
عدلیہ کا نور بھی
ظلمتوں کی رات بھی
حق کی ایک ضرب سے
لاش جبر کی گرا
سُن عوام کی صدا
چیف ظلم سے بچا!

ظلمات کے پروردہ

حکمرانوں سے سُنا کرتے ہیں اکثر دعوے
اور ہم سن کے پریشان سے ہو جاتے ہیں
ایسے لوگوں پہ پڑے قہر خدا کا جو یوں
وعدے کرتے ہیں، مفادات میں کھو جاتے ہیں
جب الیکشن کا سماں ہو تو یہی سوداگر
بڑھ کے ہر اک سے وفادار نظر آتے ہیں
منتخب ہو کے بدل لیتے ہیں اپنی نظریں
اور ہر شخص سے بیزار نظر آتے ہیں
روز گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والے
یہ کبھی قوم کے غم خوار نہیں ہو سکتے
خود جو ظلمات کے پروردہ ہیں لوگو سن لو
وہ کبھی نور کے مینار نہیں ہو سکتے

ورکرز کے نام

چراغ یُوں ہی جلائے رکھنا
وفا کے پیکر عظیم لوگو!
نہ رُکنے دینا، بہائے رکھنا
اے جانِ عزمِ صمیم لوگو

حسین جذبوں کی آبشاریں
تمہی سے چمکیں گی رہگذاریں

مزاحمت کی اِن آندھیوں نے!
اڑان بھرنے کو پر جو کھولے!
علم کو جھکنے دیا نہ تم نے!
نہ سانس اُکھڑے، نہ پاؤں ڈولے

فصیلِ آہن بنی قطاریں
تمہی سے چمکیں گی رہگذاریں

بڑھے چلو یوں ہی سوئے منزل
خدا ہے حامی تو کس کا ڈر ہے
تمہی ہو اگلی سحر کے وارث
تمہارا قائد عظیم تر ہے
تمہارے جذبے کبھی نہ ہاریں
تمہی سے چمکیں گی رہگذاریں

اِن آزماؤں کو آزما کر!
ہوئے ہیں زخموں سے چُور سارے
رہی سہی جاں بہ لب یہ کرنیں
یہ آرزو کے بجھے ستارے
تمہیں نہیں تو کسے پکاریں
تمہی سے چمکیں گی رہگذاریں

اُنہیں جگاؤ اُنہیں اُٹھاؤ
تھکی ہوئی جن کی جستجو ہے
اُنہیں بتاؤ انہیں دکھاؤ
وطن کا چہرہ لہو لہو ہے
یہ چھین لو ظلم سے کٹاریں
تمہی سے چمکیں گی رہگذاریں

نگر نگر یہ پیام دے دو
رُکو نہ جب تک اُٹھے نہ طوفان
گلے سے اُتریں نہ طوق جب تک
نہ ٹوٹے جب تک ستم کا زنداں
نہ دیکھے جب تک چمن بہاریں
تمہی سے چمکیں گی رہگذاریں

اے اقوامِ عالم!

وقت کی صدا ہے یہ
ہر نگر قرار دو
اس زمیں کو اور مت
لہو کی آبشار دو
زخم زخم بانٹ لو
ہر قدم بہار دو
امن کا شعار
زندگی کو پیار دو
نفرتوں کو مار دو

ناچتی ---- درندگی
ہو کسی بھی رنگ میں
نفرتیں بھری ہوں جس
سوچ میں امنگ میں
امن کا لہو بہے
جس انا کی جنگ میں

ایسی جیت ہار دو
زندگی کو پیار دو
نفرتوں کو مار دو

اسلحے کی دوڑ میں
بٹ رہی ہیں وحشتیں
روک لو یہ بھوک کی
ٹوٹتی ---- قیامتیں
کب تلک دکھاؤ گے
موت ہی کی صورتیں

فضا نہ سوگوار دو
زندگی کو پیار دو
نفرتوں کو مار دو

موت بانٹتے تھے جو
موت انہیں بھی لے گئی
دفن ہو چکی کئی
جابروں کی جابری
چار دن کا اوج ہے
ہوسکے تو زندگی

پیار میں گزار دو
زندگی کو پیار دو
نفرتوں کو مار دو

منزلیں ---- تباہیاں
راستے مہیب ہیں
بم گرا کے امن کی
خواہشیں عجیب ہیں
ہائے وہ نگر جہاں
سانس بھی صلیب ہیں

گل فشاں دیار دو
زندگی کو پیار دو
نفرتوں کو مار دو

ہم عوام

حکمراں برے ہیں تو
کون سے بھلے ہیں ہم

دوسروں کی خوشیوں پہ
جال پھینکتے ہیں ہم

کب جہاں میں اوروں کی
خیر مانگتے ہیں ہم

حرصِ جاہ و منصب کی
گرد سے اٹے ہیں ہم

جو ذرا سا اونچا ہو
ٹانگ کھینچتے ہیں ہم

کاروبار میں دن بھر
جھوٹ بولتے ہیں ہم

ناپتے نہیں پورا
کم بھی تولتے ہیں ہم

جب جہاں لگے داؤ
جیب کاٹتے ہیں ہم

مال میں ملاوٹ سے
باز کب رہے ہیں ہم

دجل کو ذہانت کا
نام دے چکے ہیں ہم

دفتروں میں رشوت کی
راہ دیکھتے ہیں ہم

گھر وطن کو کہتے ہیں
گھر کو لُوٹتے ہیں ہم

کھود کر کنواں اس میں
خود بھی ڈوبتے ہیں ہم

جس سے ہو مفاد اپنا
اس کو چاہتے ہیں ہم

کام جب نکل جائے
آنکھ پھیرتے ہیں ہم

جو مَرا ہو پہلے ہی
اس کو روندتے ہیں ہم

نشتروں سے لفظوں کے
زخم بانٹتے ہیں ہم

کرکے غیبتیں، مردار
روز کھا رہے ہیں ہم

دوسروں کو دُکھ دے کر
چین ڈھونڈتے ہیں ہم

نفرتوں کی لعنت کو
دل میں پالتے ہیں ہم

تفرقوں کا گھر گھر میں
زہر بانٹتے ہیں ہم

تیرگی کا خنجر ہیں
خود ہی میں گڑے ہیں ہم

خون پی کے پلتے ہیں
کیسے بھیڑیے ہیں ہم

دشمنی کو نسلوں کے
خوں سے سینچتے ہیں ہم

دیں ہے رسم، دنیا میں
غرق ہو چکے ہیں ہم

فرض بھول جاتے ہیں
حق کو مانگتے ہیں ہم

عہد کب نبھاتے ہیں
کرکے بھولتے ہیں ہم

خود ہی خود کے دشمن ہیں
خود ہی سے لڑے ہیں ہم

خود ہیں کیسے، اور حاکم؟
کیسے مانگتے ہیں ہم

ہم کو بھی بدلنا ہے
کب یہ سوچتے ہیں ہم؟

لہجے وفا کے اور ارادے جفا کے دیکھ
تیور گھٹا کے دیکھ، ذرا مسکرا کے دیکھ

مہکائیں گی یہ درد کی ہریالیاں تجھے
دل کی زمیں پہ ہجر کی فصلیں اگا کے دیکھ

تھکنے لگا ہے گر ترے لفظوں کا کارواں
لہجے میں آنسوؤں کے، کہانی سنا کے دیکھ

اے دوست رکھ سنبھال کر عہدِ وفا ابھی
عجلت نہ کر کہ تو بھی ابھی رُخ ہوا کے دیکھ

کھلتی کہاں ہے زندگی ساحل کی ریت پر
لہروں سے بات کر کبھی دریا میں جا کے دیکھ

کتنا کسی میں زہر ہے احسان کر کے جانچ
نسخہ عجیب ہے یہ اسے آزما کے دیکھ

اے دل اداس کیوں ہے تو قبرِ وجود میں
شمعیں امید کی جلا، رستے دعا کے دیکھ

آجا کہ دل نے کرلیا اقرار اب کوئی
آ اپنی انگلیوں پہ یہ سورج گھما کے دیکھ

کیسے سلگتی دھوپ اگلتی ہے چاندنی
تو بھی کسی نگاہ کے سائے میں آکے دیکھ

بدن کو شعلہ بنا کے نکلو

مجاہدو! آج پھر سروں کو ہتھیلیوں پر سجا کے نکلو
اے ولولو! پھر صداقتوں کے حسین پرچم اٹھا کے نکلو

مدد کو تیار ہیں خدائے بزرگ و برتر کی رحمتیں پھر
حضورِ حق میں گرا کے اپنی جبین آنسو بہا کے نکلو

تمہی پہ ہے ناز آج اسلام کو زمانے میں نوجوانو!
حسینؓ کے کربلا کا منظر نظر نظر میں بسا کے نکلو

پڑا ہے اندھیر ظلمتوں کا، یہی تقاضا ہے راستوں کا
چراغ اپنے نبی کی اُلفت کے اب دلوں میں جلا کے نکلو

ٹھہر نہ پائے تمہارے آگے جہاں میں باطل سیاہ پیکر
نظر کو بجلی، صدا کو طوفاں، بدن کو شعلہ بنا کے نکلو

تُم کو معلوم ہے کیا؟

تُم کو معلوم ہے کیا؟ وقت کے زندانوں سے
سر پٹختے ہوئے گزری ہے جوانی اپنی
دور سے ٹوٹتے شیشوں کی صدا آتی ہے
جیسے دہرائے دلِ زار کہانی اپنی

ایک اُجڑا ہوا خوابوں کا کھنڈر ہے جس میں
سسکیاں بھرتے ہوئے رات گزر جاتی ہے
ان امیدوں کے ستاروں پہ ہنسیں کہ روئیں
یہ جنازے ہیں کہ بارات گزر جاتی ہے

زردیاں تن پہ لپیٹے ہوئے ویراں صبحیں
تھپکیاں دے کے کئی درد جگا دیتی ہیں
جب کلی کوئی چٹکتی ہے تو کیوں چپکے سے
بجلیاں موت کا پیغام سنا دیتی ہیں

آ بتاؤں تجھے پلکوں پہ یہ ٹھہرا پانی
کسی آواز میں ڈھلتا ہے تو کیا ہوتا ہے
اپنے ہاتھوں سے لگائے ہوئے اشجار تلے
جسم اپنا ہی جو جلتا ہے تو کیا ہوتا ہے

زندگی آج یہ کس موڑ پہ لے آئی ہے
ہر نیا زخم بھی لگتا ہے شناسا ہم کو
اب تو لہرائے بھی نظروں میں تو لگتا ہے فریب
کسی اِحساسِ مسرّت کا تماشا ہم کو

دفن ہو جائیں جن آنکھوں کی شعاعیں پھر وہ
کسی چہرے کے اُجالوں کی قسم کیا کھائیں
خود جو حالات کی قبروں میں گڑے ہوں زندہ
وہ کسی خواب کے مر جانے کا غم کیا کھائیں

نہیں ہوتا تو زخمِ روح کا چارا نہیں ہوتا
مسیحا! تیری باتوں میں وگرنہ کیا نہیں ہوتا

لہو بے قدر و قیمت ہی جو ٹھہرا تو تعجب کیا؟
اگر انساں ہی سستا ہو تو خوں مہنگا نہیں ہوتا

سمجھ پاؤ تو اس میں بھی کئی مفہوم ہوتے ہیں
کسی پاگل کا ہنسنا بھی کبھی جھوٹا نہیں ہوتا

جو دامن صاف ہے تو مت الجھ دنیا کی باتوں سے
کہ شب کی سازشوں سے چاند تو کالا نہیں ہوتا

وہیں رستے بدلتے ہیں جہاں پہچان ہو جائے
وفا رہتی ہے جب تک دوست کو سمجھا نہیں ہوتا

اتر آتی ہیں شب کو ماتمی شہنائیاں دل میں
کبھی اس شہر کی گلیوں میں سناٹا نہیں ہوتا

گلی کے خشک پتے اب تو چونکاتے نہیں مجھ کو
ہوا کی آہٹوں پر اب ترا دھوکا نہیں ہوتا

پہنچتا ہی نہیں انوار نظروں سے کبھی دل تک
وہ منظر جس میں حسنِ یار کا جلوہ نہیں ہوتا

❁

ابھی تک جانبِ صحرا وہ چشمہ کیوں نہیں آیا
مریضِ جاں بہ لب تیرا مسیحا کیوں نہیں آیا

جو خاموشی سے چل دی تھیں، رُتیں وہ لوٹ آئی ہیں
وہ لوٹ آنے کا کہہ کر جانے والا کیوں نہیں آیا

وہ خوشبو تھا تو کیوں کچھ دیر تک ٹھہرا نہ آنگن میں
اگر وہ سانس تھا تو پھر دوبارہ کیوں نہیں آیا

اسیرِ گردِ ماضی ہوں، حصارِ حالِ تیرہ میں
نظر تھی منتظر جس کی وہ فردا کیوں نہیں آیا

ستم نیکی کے بدلے کیوں بدی کے سہ لئے میں نے
زمانے کی طرح مجھ کو بدلنا کیوں نہیں آیا

کسی پل رُک کے اپنی نیتوں کا جائزہ تو لے
تُو حق ہے تو ترے رستے میں کوفہ کیوں نہیں آیا

گیا تھا الوداع کہنے تجھے کچھ دور تک لیکن
پلٹ کر میری آنکھوں کا اُجالا کیوں نہیں آیا

لُٹاتے پھر رہے ہیں چاہتیں انوارؔ اوروں پہ
ہمیں خود سے محبت کا سلیقہ کیوں نہیں آیا

بے لوث وفاؤں کے کہسار لرزتے ہیں
جب شہرِ عقیدت کے مینار لرزتے ہیں

جب عشق صلیبوں کی گلیوں سے گزرتا ہے
ہنس دیتے ہیں دیوانے، عیّار لرزتے ہیں

جو دھونس جماتے ہیں اپنوں پہ وہی رہبر
سنتے ہیں جو دشمن کی للکار، لرزتے ہیں

ہتھیار نہیں کافی، جرأت بھی کریں پیدا
جو تھام کے ہاتھوں میں تلوار، لرزتے ہیں

چھپتا ہے تہہِ مسند، ہر جُرم یہاں آ کر
زنجیر بجے تو خود، دربار لرزتے ہیں

اظہار کے رستے میں وہ موڑ بھی آتا ہے
جب ہونٹ سلگتے ہیں اقرار لرزتے ہیں

اک اور بھی منظر ہے اس کو بھی کبھی دیکھو
جب بوجھ سے اشکوں کے رخسار لرزتے ہیں

اک روز تو آئے گی انوارؔ قضا بن کر
جس نیند کی دہشت سے بیدار لرزتے ہیں

